فغانِ آرزو

جناب سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی

کا

پہلا دیوان

باہتمام منشی محمد اسمٰعیل صدیقی

ادبی پریس لاٹوش روڈ لکھنؤ میں چھپا — قیمت ۱؍

بار اول ۱۰۰۰

ھوالباقی

اک نشان بے نشانی نورِ چشم کور ہون   مین کہ اپنے واسطے خود ہی چراغ گور ہون

یہ چند غزلون کا مختصر سا مجموعہ جو میری اوائل مشق سے اسوقت تک کی تدریجی حالت کا آئینہ ہے نہ دیوان کہے جانے کا مستحق نہ اہل بصیرت کا سوادِ چشم ہان خوشنودیٔ احباب کی دستاویز مانا جاسکتا ہے جن مین حبیب دلنواز جناب سید آل رضا صاحب وکیل پرتاب گڑھ و رئیس قصبہ نیوتنی کی ذات خاص شکریہ کی مستحق ہے جنھون نے مصارف طبع برداشت کر کے اپنی دلچسپی کا عملی ثبوت دیا والسلام

ناچیز
انوار حسین آرزو موہانی لکھنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

شاعری تخیل و محاکات کی سحر پردازیوں کا نام ہے فلسفہ ہو یا تصوف تاریخ ہو یا افسانہ حقایق ہوں یا معارف جب ان کی دلارائیوں کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں دلاویزی اُنکا کلمہ پڑھتی ہے دلربائی اُن کا دم بھرتی ہے۔ نثر ہو یا شعر سب کی دلکشی کا راز یہ ہے کہ کہنے والا اس انداز سے کہہ جائے کہ بے اثری کا نشاں و اثر باقی نہ رہے اگر شعر حالت انبساط میں کہا گیا ہے تو اس میں یہ تاثیر ہونی چاہیئے کہ روتا آدمی ہنس پڑے اور اگر حالت حزن و ملال میں کہا گیا ہے تو بچیں سے بچیں آدمی بھی بےچین ہو جائے جس محفل میں پڑھا جائے اسے ماتمکدہ بنا رہے۔ شعر کی صفت یہ ہے کہ نثر میں اسی بات کو بہتر سے بہتر بیان کرنے والا بیان کرے مگر وہ دلکشی وہ دلربائی پیدا نہ ہو کوئی شعر شعر کامل کہے جانے کا مستحق نہیں اگر وہ انسانی جذبات کو برانگیختہ نہ کر سکے یا سامع پر وہی اثر نہ ڈال سکے جو مقصود تھا۔

اسی وجہ سے لکھنؤ کی شاعری پر دہلی والوں کا ایک زمانہ سے یہ اعتراض رہا ہے کہ یہ حضرات حسیات اور جذبات کے سچے مصور نہیں۔ ان کے یہاں صرف لفظوں کی نمائش ہے۔ لفظوں کے گھروندے بنا بنا کر ان سے کھیلتے ہیں —

اثر نام کو نہیں۔ سب سے پہلے اس خیال کے بے بنیاد ثابت کر دکھانے کا سہرا جناب میر انیس صاحب و جناب میرزا دبیر صاحب مرحوم کے سر رہا۔ ان کے بعد لکھنؤ میں ایسے حضرات بہت کم پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے کلام سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ وہ شاعری کی شاہراہ مستقیم پر چل رہے ہیں۔ جن بزرگوں نے اپنی سلاست، مذاق کے ڈنکے بجائے ان میں حضرت تعشق بھی ہیں جن کے بیشتر اشعار میں ابتک شوریدگی پیدا کر دینے کی قدرت موجود ہے۔ آخر میں زمانہ نے ایک ایسا باخبر شخص پیدا کر دیا جو متاثر ہو جانے والا دل اور متاثر کر دینے والی زبان لایا تھا اس نے چالیس سال کی مشق سخن میں یہ ثابت کر دکھایا کہ اساتذہ لکھنؤ اگر چاہیں تو ہر رنگ پر قادر ہو سکتے ہیں۔ انھیں بزرگ کے شاعرانہ پاکیزہ خیالات ہیں جو فصاحت کے سرچشمے سے نکل کر دریائے مواج کی طرح رواں ہیں کدورت کا نام تک نہیں۔ زبان کا یہ حال ہے کہ سبحان اللہ۔ بالائی سطح پر نظر ڈالنے سے تہ کے اندر ڈوبے ہوئے موتی جھلک دکھاتے ہیں۔ یہ بزرگ کون ہیں؟ آرزو جانشین حضرت جلال لکھنوی۔

اس تاجدار اقلیم سخن کا نام نامی سید انور حسین اور عرف منجھو صاحب ہے آپ سخنور معنی شناس میرذاکر حسین صاحب یاس مغفور لکھنوی کے منجھلے صاحبزادہ ہیں، آپ کے جد اعلیٰ نواب سید جان علی خان صاحب المخاطب بہ نواب تہور خان صاحب اپنے والد میر شہامت علی خان صاحب کے ہمراہ ہرات سے عہد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر میں وارد ہندوستان ہوئے اور اجمیر میں قیام کیا۔ آپ سلطنت مغلیہ کے ایک رکن ہو کر بھی وہیں مقیم رہے۔ انہیں نواب تہور خاں صاحب کے پوتے نواب

سیف الدین خان صاحب المعروف نواب میرزا گل بیگ صاحب آنبیر سے لکھنؤ آئے اور یہاں شان و شوکت سے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

غدر کے زمانہ میں لکھنؤ میں کس کا گھر نہ لٹا اور پرانے باشندوں میں کون تباہ نہ ہوا دولت لٹی۔ گھر جل گیا۔ ریاست بگڑ گئی۔ تسلط ہوا تو مفلسی اور فلاکت سے کام پڑا شہرت و اختیار کا دور ختم ہوا اور قناعت کے نظر کردہ گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ میر ذاکر حسین صاحب جو نواب میرزا گل بیگ صاحب کے پروتے تھے زمانہ کے بدل جانے سے تلوار ہاتھ سے رکھکر قلم اٹھا چکے تھے اور دلآرام کی بارہ دری میں رہتے تھے۔ اسی بارہ دری میں ۸ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ کو ان کے گھر میں یہ چمکتا ستارا اترا۔ اس وقت کسے خبر تھی کہ یہ گم کردگان راہ کے لئے چراغ راہ ہوگا اور بھولے بھٹکوں کو راہ پر لگائے گا۔ جناب یاس نے خود با اقبال بیٹے کی ولادت کی تاریخ کہی۔ مادہ تاریخ یہ تھا۔ ؎

بار دیگر شکر کردم از زبان

اس وقت کا لکھنؤ آج کا سا لکھنؤ نہ تھا۔ ہر شریف گھر تمیز و تہذیب کا مخزن اور منبع تھا گھر کا ہر بڑا بوڑھا یہ خیال مدنظر رکھتا تھا کہ خاندان کی منزلت کے اعتبار سے اپنے بچوں کی تربیت کرے۔ یہ چھوٹا مگر ہونہار بچہ بھی ایسے ہی بزرگوں کے آغوش تربیت میں پلتا اور سایہ عاطفت میں کھیلتا تھا۔ جب آپ پانچ برس کے ہوئے تو پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے۔ ابتدا میں پڑھنے سے طبیعت بھاگتی تھی۔ کھیلوں کی طرف زیادہ رجحان تھا۔ مگر اس ایجاد پسند اور جدت طراز طبیعت کا یہ حال تھا کہ ان کھیلوں میں بھی صنعت طرازی ہوتی تھی اور نئے نئے ڈھنگ سے کھیل کا سامان تیار کیا جاتا

تھا۔ سب سے زیادہ مرغوب شغل کنکوا تھا۔ نئے نئے رنگ کے کنکوے بنتے تھے اور وہیں ایلچی خاں کے میدان میں ایسے ایسے میدان بچوں کے لڑتے تھے کہ دیکھنے والے بڈھوں کو اپنا زمانہ یاد آجاتا تھا ایک لطیف بات یہ تھی کہ دوسرے ساتھی انکو اسی وقت سے استاد کہتے تھے۔ پہچاننے والی نظروں نے یہ فیصلہ کر دیا ہوگا کہ یہ لڑکا اس میدان ہی کا استاد نہیں خدا جانے کن کن صنعتوں میں کون کون سی ایجادیں کرے گا۔

اسی زمانہ میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ لہو لعب سے طبیعت پھری اب اس نہ رکنے والے دریا کا بہاؤ پھر تعلیم کی طرف تھا۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں حکیم میر قاسم علی صاحب سے پڑھیں اور اس کے بعد جو کچھ پڑھا وہ حضرت قدوۃ العلماء مولانا و مقتدانا سید آقا حسن صاحب مجتہد العصر و الزمان سے۔

اب کوئی بارہ برس کا سن ہوگا کہ شعر کی طرف میلان طبیعت ہوا۔ گھر میں باپ اور بھائی میر یوسف حسن صاحب قیاس جو نو برس کے سن سے شعر کہتے تھے موجود تھے ان کو شعر کہتے دیکھ کر اُن کی ہمہ گیر طبیعت کب رکتی تھی سب سے چھپا کر شعر کہنا شروع کیا۔ اسی زمانہ میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ جسکو ان کی شاعری کی بسم اللہ کہہ سکتے ہیں۔ ہوا یہ کہ ایک شاگرد کی غزل جناب یاس نے قیاس صاحب کو دی کہ اس کی اصلاح کر دیں۔ وہ اصلاح کی فکر میں تھے اور یہ اُن کے پاس موجود تھے انھوں نے بھی شعر پڑھا اور فوراً بولے "بھائی صاحب اگر یہ شعر اسطرح پر ہو تو کیسا ہے" قیاس صاحب نے ان کی صورت دیکھی اور شعر کو اسی طرح بنا دیا انھوں نے پوری غزل یوں ہی درست کرا دی شام کو جب جناب یاس نے وہ غزل مانگی

تو فیاؔس صاحب نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اصلاح شدہ غزل لاکر اُن کے سامنے رکھدی۔ یاؔس صاحب نے اسی دن لیجا کر ان کو سرآمد شعرائے ماضی وحال جناب حکیم میر ضامن علی صاحب جلاؔل مغفور کا شاگرد کرا دیا۔ اس وقت ان کا سن پورے تیرہ برس کا تھا۔

ان دنوں اس شہر میں ذوق علم و ادب اب سے بہت زیادہ تھا۔ اور مذاق سلیم رکھنے والوں کی کمی ایسی نہ تھی جیسی اس وقت ہے اور نہ اہل فن کی کسادبازاری کا یہ عالم تھا۔ غواص معانی انمول جواہر نکال کر بازار سخن میں لاتے اور تحسین وآفرین کے منھ مانگے دام پاتے۔ محلہ محلہ میں ماہواری مشاعرے ہوتے تھے اور ایک عجب عالم نظر آتا تھا۔ نومشقوں کے لئے یہ مشاعرے سب سے زیادہ مفید اور سبق آموز تھے۔ حضرت آرزؔو نے بھی اسی میدان میں گام زنی شروع کی اور اسی کو اپنا جولانگاہ بنایا۔ آپ نے سب سے پہلی غزل نواب منجھلے آغا صاحب کے مشاعرہ میں پڑھی انجمن ہیں ہمیں چمن میں نہیں۔ طرح تھی جناب آرزؔو کی غزل اس مشاعرہ میں بہت چمکی اور استادوں نے یہ اندازہ کیا کہ کمال پر پہونچ کر یہ ہونہار آسمان شعر کا چاند ہوگا۔ اسی غزل کے دو شعر میں لکھتا ہوں اہل ذوق دیکھیں گے کہ طبیعت کا زور کتنا ہے اور طرز ادا کیا اُنکو کہا۔

مطلع

ہمارا ذکر جو ظالم کی انجمن میں نہیں　　جبھی تو درد کا پہلو کسی سخن میں نہیں

ایک اور شعر تھا ؎

شہید ناز کی محشر میں دے گواہی کون　　کوئی لہو کا بھی دھبہ مرے کفن میں نہیں

اس زمانہ کے لوگ بھی ایسے ہی ہوتے تھے کہ جہاں محلہ کا کوئی بچہ ہونہار معلوم ہوا انھوں نے عجیب عجیب انداز سے اس کے دل میں امنگ پیدا کرنی شروع کر دی تاکہ طبیعت لڑی رہے اور تھوڑے عرصہ میں وہ اپنے فن کے معراج کمال پر پہونچ جائے اسی طرز کے ایک بزرگ میرن صاحب نے آرزو صاحب کو ایک دن یہ مصرع۔

اڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ میں

دیا اور کہا کہ اگر دس برس میں بھی تم اسپر مصرع لگا دو تو میں تم کو شاعر مان لوں۔ جناب آرزو نے فرمایا کہ دس برس تک زندہ رہنے کی اُمید بیان کسے۔ یہی نہیں معلوم کہ ایک سانس کے بعد دوسری آئے گی بھی یا نہیں میں ابھی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے کہ مصرع لگ جائے۔ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد اس مصرع کو مصرع دوئم کر کے ایسا مصرع لگا دیا کہ بے معنی مصرع معنی دار شعر کی شکل میں تبدیل ہو گیا ؎

(گرہ) دامن اس یوسف کا آیا پرزے ہوکر ہاتھ میں

(طرح) اڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ میں

ابتدائی کیفیتیں دیکھ کر اکثر اساتذہ نے پیشین گوئیاں کیں کہ یہ لڑکا کسی وقت اپنے ہمعصروں میں ممتاز ہوگا ان جوہر شناس نظروں نے جو کچھ دیکھا تھا آگے چلکر وہی ہوا۔

ابتداً بہت زیادہ محنت سے اور کثرت کے ساتھ مشق شعر کی اور بڑے بڑے معرکہ کے مشاعروں میں شرکت کی جنمیں خصوصیت کے ساتھ امتیاز حاصل کیا۔

اس زمانہ کے مشاعروں کی غزلیں عموماً اپنے استادہی کے رنگ پر کہی ہیں دیکھنے والے دیکھیں گے کہ رنگ جلالی کیسا نمایاں ہے اور طبیعت ہے کہ منھ زور

گھوڑے کی طرح رُکے نہیں رکتی۔ یہ ان کی مشق کا دور اول کہا جا سکتا ہے۔ اس دور کی حالت مشق کا اندازہ ذیل کے چند اشعار سے کیا جا سکتا ہے

مجھکو میری روش ستاتی ہے پاؤں کی خاک سر پہ آتی ہے
چارہ گر سے چھپا رہا ہوں درد بات کی کہ میں جاں جاتی ہے
خودکشی کا آپ پر الزام دھرتے جائینگے ہم تو مرتے ہیں مگر بدنام کرتے جائینگے
جانستاں بھی نگہ ناز کہ خالی نہ گئی اس بہانہ سے قضا آئی کہ ٹالی نہ گئی
دی ہے راحت کے بہانے مجھے ایذا کیا کیا چٹکیاں لیتے رہے پھانس نکالی نہ گئی
ادھر پھر بھی آنا ادھر جانیوالے ارے دل کے بیتاب کر جانیوالے
مرا سوگ کیسا تری شرم رکھ لیں یہ چہرہ پہ گیسو بکھر جانیوالے
نہال ہو کے دلِ داغدار دیکھیں گے خزاں تو آئے پھر اپنی بہار دیکھیں گے
ہے شمع ہاتھ میں چہرہ پہ زلف آنکھوں میں اشک اندھیری رات میں کسکا مزار دیکھیں گے

ابتدائی مشق کے ساتھ تحصیل فن عروض خاص طور پر جناب جلال سے کی گئی جس کی تکمیل پانچ سال میں جب جناب آرزو کا سن ۱۸- سال کا تھا ہو گئی استاد نے یہ دیکھ کر کہ یہ شاگرد اب ایسا ہو گیا ہے کہ بڑھاپے میں کچھ ہاتھ بٹا سکے اسی سال اپنے چند شاگردوں کو ان کے سپرد کر دیا کہ ان کے کلام کی اصلاح کیا کریں۔ یہاں سے آرزو صاحب کی مشق کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اہل نظر دیکھیں گے کہ اس دور کا رنگ تغزل دور اول کے رنگ سے کتنا بالا تر اور علٰحدہ ہے یہاں سے اساتذہ متقدمین کا تتبع شروع ہوتا ہے جس میں سے میرؔ اور مومنؔ کا رنگ سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی دوسرا رنگ نہیں چڑھتا

دورِ دوم کے ابتدا کی کیفیت یہ تھی ؎

پھر مرے زہد کے سامان پہ تباہی آئی — قصد توبہ کا کیا تھا کہ جو گھٹا ہی آئی

اپنا بھی آہنگ ہر ایک صورت نے ایک ہے — نغمہ بھی کرتے ہیں نالہ بھی مگر لے ایک ہے

قتالِ جہاں معشوق جو تھے سوتے ہیں پڑے مرقد اُن کے
یا مرنے والے لاکھوں تھے یا رونے والا کوئی نہیں

یوں آگ لگاتے پھرتے ہو کیوں جب گرم ہوا سے ڈرتے ہو
دل پہلے جلا کر خاک کیا اب ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو

چارہ گروں کی کوشش راحت چرخ کی دل آزاری ہے
پھاہے کا اپنے زخم جگر کے مرہم تک زنگاری ہے

تازہ وہ پھر سے ہو گئے غم تھے فلک نے جو دئے
جس نے کہ ہنس کے بات کی ہم بھی لپٹ کے رو دئے

میر و مومن کے تتبع کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے کلام میں حسرت ادا اور سوز و گداز کثرت سے پایا جانے لگا۔ ذیل کے اشعار اسی دورِ دوم کے آخری زمانہ کے تغزل کا نمونہ ہیں ؎

دو آنکھیں ہیں یا اک دلِ اُن کا بھی یہ نقشہ ہے — وہ رستے ہوئے ساغر شیشہ یہ شکستہ ہے

متوالی وہ آنکھیں ہیں دو تو بہ شکن ساغر — اور اُدھر سے اشارے بھی بس توبہ ہی توبہ ہے

ہم آنکھیں کھولے بیٹھے تھے جب سارا عالم سوتا تھا
مانند چراغ اک سوختہ تر ہنستا تھا گر روتا تھا

میں خوش ہوں ختم مصیبت سے وہ چونکے ہیں اپنی غفلت سے
اب روتے ہیں بے ہنسنے پہ یا ہنستے تھے جب میں روتا تھا
کچھ کہتے کہتے اشاروں میں شرما کے کسی کا رہ جانا
وہ میرا سمجھ کر کچھ کا کچھ جو کہنا نہ تھا بس کہہ جانا
تلوار اٹھائی پھر رکھدی ابرو پہ بل آیا لب پہ ہنسی
بس دیکھ لی یہ ٹھنڈی گرمی جلا دیتے اور ڈرتے ہو

رات مزے کی اور یہ غفلت | ساری جوانی سوتے گذر رہی
کچھ تو بقائے حال کی تدبیر چاہیئے | اک عالم جنوں کی بھی تصویر چاہیئے
پیری بنی جوانی ایسوں کے داغ دیکھے | بجھتے سحر سے پہلے کیا کیا چراغ دیکھے

یہاں سے حضرت آرزو کے کلام کا دور دوئم ختم اور دور سوئم شروع ہوتا ہے چالیس برس کے سن سے ابتک (کہ بفضلہ ۵۴ برس کا سن ہے) کلام کا نمونہ پیش کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسے واقعہ کا ذکر کروں جس نے حضرت آرزو کی شاعرانہ زندگی میں ایک تغیر پیدا کردیا۔ علامہ جلال نے ۱۳۲۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ میں جانشینی کے لئے تجویزیں ہو رہی تھیں کہ جناب نواب امرائو بہادر صاحب دلیر خلف عالیجناب نواب علی بہادر صاحب والئ باندہ لکھنؤ تشریف لائے۔ اساتذہ لکھنؤ سے دریافت کیا کہ حضرت جلال کے بعد انکے شاگردوں میں انکی قائم مقامی کے لائق کون ہے سب نے بالاتفاق حضرت آرزو کا نام لیا اور آپ ۱۳۲۸ھ میں جانشین حضرت جلال مقرر ہوئے نواب صاحب موصوف نے بعد کو اساتذہ

لکھنؤ کی تحریری رائے حاصل کرنی چاہیئے۔ اور تقریباً تمامی اساتذہ لکھنؤ نے اس محضر پر دستخط فرمائے۔ نواب بہادر حسین خان صاحب انجم نیشا پوری مرحوم نے جو ارشد تلامذہ جناب اسیر مرحوم میں سے تھے اس واقعہ کی لاجواب تاریخ کہی مصرع تاریخ یہ تھا۔ ؎

آرزو مسند رکن اعلیٰ مسند آرائے جلال

اس میں شک نہیں کہ جناب جلال کے شاگردوں میں کثرت سے ذی مرتبہ اور بلند پایہ شاگرد تھے۔ مگر اس میں بھی شک نہین کہ ان کے بعد تاج سخنوری اگر کسی سر پر موزوں معلوم ہو سکتا تھا تو وہ سر حضرت آرزو ہی کا تھا۔

حضرت آرزو کے کلام سے اوایل عمری میں وہ کیفیتیں رونما ہونے لگی تھیں جو بعض اساتذہ کے بیان آخر عمر میں نمودار ہوتی ہیں۔ دور سویم مین مختلف رنگوں پر قادر الکلامی حاصل ہو گئی۔ اسی زمانہ مین طبیعت اوا بندی فلسفہ اور تصوف کی طرف بہت زیادہ مائل ہوئی مگر محاورہ اور زبان کے معاملہ میں خدائے سخن میر کی پیروی نہ چھوٹی مشکل سے مشکل صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین کو ایسی صفائی اور روانی سے ادا کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ پیش پا فتادہ باتیں ہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف جناب آرزو ہی کی پتھر کو پانی کر دینے والی طبیعت کا زور ہے کہ مشکل سے مشکل باتین اتنی آسانی سے نظم ہو جاتی ہیں۔ وہی بندش ہے وہی طرز ادا، وہی کوثر میں دھوئی ہوئی لکھنؤ کی میٹھی زبان۔ فلسفہ اور تصوف کے حقائق بیان ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیٹھا معمولی باتین کر رہا ہے۔ نہ کوئی لفظ کانوں پر بار ہوتی ہے نہ کوئی چیز سمجھنے میں حائل ہے۔

فلسفہ اور تصوف کی چاٹ نے اس دور میں مرزا غالب مرحوم کا رنگ بھی پیدا کر دیا۔ مرزا غالب کو جو قبولیت عام حاصل ہے وہ اُن کے فلسفیانہ مضامین۔ طرز ادا

اور بلندیٔ خیال کی وجہ سے ہے۔ مرزا کی بلندی خیال کا یہ عالم ہے کہ ہر جگہ گویا آسمان سے تارے توڑتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ فارسیت کا اتنا زیادہ زور ہے کہ کہیں عجب عجب محاورے عجیب عجیب ترکیبیں کہیں مشکل بندشیں بعض اوقات مرزا کے شعر کو معمولی سمجھ سے بالاتر بنا دیتے ہیں حضرت آرزو نے رنگ غالب کی پیروی صرف تخیل و طرز ادا میں کی ہے۔ زبان میں انداز میر کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر کوئی مرزا کی تقلید ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے کر سکتا ہے تو آتنی ہی۔ انھوں نے غالب کی اکثر غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔ نقاد طبیعتیں ذیل کے چند اشعار سے اندازہ کر سکینگی کہ ان میں کہاں تک مرزا کا رنگ جھلکتا ہے ؎

دوست نے دل کو توڑ کر نقش وفا مٹا دیا
سمجھے تھے ہم جسے خلیل کعبہ اُسی نے ڈھا دیا

خوں شدہ دل اگر نہیں پھر ہے یہ اشک سُرخ کیا
اَب بھی نہ تم یقین لاؤ۔ آنکھ سے تو دکھا دیا

نالے ہیں دلستاں تو پھر! آہیں ہیں برچھیاں تو ہوں!
ہم تو خموش بیٹھے تھے آپ نے کیوں ستا دیا

تابع شوق بھی ہیں ہم ان کے بھی ہیں مزاج داں
سوچ کے خط میں کچھ لکھا۔ آپ ہی خود مٹا دیا

بیٹھا ہوں اپنے قتل کا سامان کئے ہوئے — یعنی خیال ناوک مژگاں کئے ہوئے
تکتا ہوں سوئے پردۂ درپن کے اجنبی — شوق نظارہ آنکھوں میں پنہاں کئے ہوئے

یوں پھر رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں — آلودہ میرے خون میں داماں کئے ہوئے
وحشت ہم اپنی بعد فنا چھوڑ جائیں گے — اب تم پھرو گے چاک گریباں کئے ہوئے
جوش جنوں میں وہ ترے وحشی کا چیخنا — بند اپنے ہاتھ سے در زنداں کئے ہوئے

یوسفستان محبت کا حسن بریاد آگیا — اور دل ٹوٹا جو ہنسکر بھائی سی بھائی ملا
شکست عارضی سے پھیر لیے ہم کی ذوق — یہ ہے اک کاروان جس پر ہمی محفل کا دھوکا ہے
آتش غم سے پنکے زبان بھی شعلۂ بے آواز ہم — خاموشی میں مٹا دی ہستی کیونکہ سراپا راز تھے ہم

اداؤں سے ولولے نمایاں کچھ اس طرح قتل عام کے ہیں
کہ اختیارات جیسے حاصل جفائے بے انتقام کے ہیں

عجب طرح یہ دل افسردگی میں جلتا ہے — کہ سانس لینے میں ٹھنڈا دھواں نکلتا ہے

زبان اردو پر حضرت آرزو کا خاص احسان یہ ہے کہ آپ نے بہت سے ایسے الفاظ جو زبان اردو کی جان ہیں اور سلاست و فصاحت کا ایمان اور جن کو زمانہ کی بدمذاقی نے نابود کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ آرزو نے ان کشتگاں بے گناہ کے ساتھ مسیحائی کی۔ پھر سے خلعت حیات عطا کیا۔ اور یوں ان لفظوں سے کام لیا کہ فصاحت نے بارک اللہ اور بلاغت نے اللہ اللہ کہا۔ جہاں پر ایسے الفاظ رکھدے معلوم ہوا جواہر جڑ دیے ہیں اور یہی وہ شاعری ہے جس پر لکھنؤ جہاں تک ناز کرے بجا ہے اوپر کے اشعار میں خط کشیدہ ترکیبیں اس کا نمونہ ہیں۔

میں نے شروع میں ذکر کیا ہے کہ اس دور میں ادا بندی بھی کثرت سے پیدا ہو گئی مرزا داغ مرحوم نے ادا بندی اپنا حصہ کر لیا تھا ذیل کے چند اشعار مرزا کی ادا بندی پر

کا جواب ہیں ؎

بھری جوانی امنگ کے دن لڑیں نگاہیں کہ فیصلہ ہو — بخیر انجام ہو الٰہی یہ دل کا پہلا معاملہ ہے

نہ دے ٹھوکے نگاہ تاز اب سنبھل سکیں گے نہ رند مشرب

پیالہ ہے اس طرح لبالب کہ ہاتھ کانپا تو فیصلہ ہے

ادا سے بل تیوریوں پہ لانا بجا بجا کہہ کے مسکرانا

شکایت اس طرح سن رہے ہیں کہ جیسے انکو بھی کچھ گلہ ہے

یہ آرزو شیب کا زمانہ اور اُسپہ اشعار عاشقانہ

بجھی ہوئی آگ کی ہے تیزی پسے ہوئے دل کا ولولہ ہے

خصوصیات شعر میں سے کونسی خصوصیت ہے کہ حضرت آرزو کے کلام میں موجود نہیں ندرت، محاورات، جدت، ادا، الفاظ کا دروبست، سلاست، روانی سب کے سب بدرجہ اتم موجود ہیں مگر سب سے زیادہ نمایاں چیز جو ہر نظر کو محسوس ہوتی ہے وہ خوبی زبان ہے، کیسی ہی سنگلاخ زمین کتنی ہی بے مزہ ردیف قافیہ مگر انکی ہمہ گیر طبیعت زبان کے جوہر دکھا کے رہتی ہے۔ یوں کہنا بیجا نہ ہو گا کہ سہل ممتنع پر جو قدرت جناب آرزو کو ہے دوسرے لوگوں میں کم ہوتی ہے۔ فن عروض پر جو تبحر اور زبان اردو پر جو قدرت آرزو صاحب کو حاصل ہے اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے طالبان علم و فن ہندوستان کے مختلف حصوں سے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ شاگردوں کی تعداد سیکڑوں تک پہونچتی ہے۔ جن میں سے بعض بعض نے دنیائے ادب میں اپنا سکہ جما دیا ہے۔

بعض حضرات کو یہ تعجب ہوگا کہ جس استاد کے اتنے شاگرد ہوں وہ ان کے کلام کی اصلاح کیونکر کر سکتا ہے۔ مگر یہ بات ان حضرات کی سمجھ میں آسانی سے نہیں

آسکتی جنھوں نے حضرت آرزو کو اصلاح دیتے نہیں دیکھا ہے۔ پندرہ بیس شعر کی غزل درست کرنے میں حضرت آرزو کو کبھی دس منٹ سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہوتی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشاعرہ میں جارہے ہیں اور کوئی شاگرد آپہونچا جس کی غزل اس وقت تک بنی نہ تھی مشاعرہ کو چل کھڑے ہوئے اور راستہ میں غزل بن گئی۔
بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ عین مشاعرہ کے دن پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ شاگردوں کی غزلوں پر اصلاح ہوئی ہے۔ اُن کے بعض ہمعصروں کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ یہ اتنی غزلیں ایک وقت میں درست کرسکتے ہیں۔ مگر اتفاقاً ایک مرتبہ سندیلہ میں جب اُن کی موجودگی میں انھوں نے بات کی بات میں بیسیوں غزلوں پر اصلاح دیدی تب اُن حضرات کو یقین ہوا اور ان کے کمال کے قائل ہوئے۔ اُن حضرات نے خود ہی جناب آرزو سے اس کا تذکرہ فرمایا تھا۔

مجھے افسوس ہے کہ مقدمہ کے طویل ہوجانے کے خوف سے میں اصلاح کی کچھ مثالیں ناظرین کے سامنے پیش نہیں کرسکتا اگر زمانہ نے مہلت دی تو راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ ایک مفصل رسالہ حضرت آرزو کی اصلاح پر ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاسکیگا۔

آرزو صاحب نے جس آغوش میں تربیت پائی تھی اس کا نتیجہ قطعی وہی ہونا چاہیئے تھا جو ہوا طبیعت میں ایک طرف تو حد درجہ کی انکسار نے فروتنی اور دوسری طرف قناعت اور استغنا نے کار دنیا سے بے تعلقی پیدا کرادی مگر آپ کی زندگی کا زرین اصول ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ کسی ذی روح کو رنجیدہ کرنا انسان کے بدترین افعال میں سے ہے۔ جو شخص آپ سے ایک مرتبہ بھی مل لیا ہے وہ حسن اخلاق کا

شیدا و فریفتہ ہو گیا ہے۔

انسان کے اخلاق و عادات کا اثر ہمیشہ اس کی تصانیف پر پڑتا ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص کو دنیا کے کاموں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں وہ اہل دنیا کی تعریف میں ہٹلی کیوں کرنے لگا۔ اسی خلقی اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آرزو صاحب کا کلام خواجہ آتش کی طرح اہل دنیا کی تعریف سے بالکل پاک ہے اپنے بزرگان دین کے سوا کسی کی تعریف میں کبھی کوئی قصیدہ نہیں لکھا۔ غزلیں اس کثرت سے کہی ہیں کہ تین دیوان موجود ہیں جس میں سے پہلا زیور طبع سے اب مزین ہوا ہے۔

مثنویاں بھی کئی لکھی ہیں جن میں سے عدل محمود اور صبح بنارس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

قطعات و رباعیات و سلام بہت کثرت سے کہے ہیں۔ اتحاد ہندو مسلم۔ اسلام کی ابتدائی حالت اور جنگ یورپ پر جو قطعات آپ نے لکھے ہیں وہ طبع ہو کر اہل سخن کی پسندیدگی حاصل کر چکے ہیں اور خیال ہے کہ آئندہ وہ علحدہ علحدہ رسالوں کی صورت میں شائع کئے جائیں گے۔

مرثیہ گوئی کا مذاق چونکہ موروثی تھا اس لئے غزلیات کے بعد سب سے زیادہ تعداد میں مراثی کہے ہیں۔ مگر چونکہ طبیعت ہمیشہ سے جاہ پسندی سے بھاگتی رہی ہے اور اس لیے کہ اُسے ذریعہ معاش بھی نہیں بنایا اس صنف میں امتیاز حاصل کرنے کا شوق نہ ہوا۔ البتہ اس خاص صنف میں اُن کے شاگردوں میں سے بعض نے کافی ناموری پیدا کی ہے۔

نثر لکھنے کا شوق تھوڑے زمانہ سے پیدا ہوا ہے اور بعض دیرینہ احباب کے اصرار سے آپ نے پانچ ڈرامے۔ متوالی جوگن۔ دل جلی بیراگن۔ شرارہ حسن۔ جادۂ زہر اور صدائے درویش جو سب کے سب اوریجنل پلاٹ میں لکھے ہیں۔ مگر ان سب تصانیف سے بالاتر حضرت آرزو کا وہ چھوٹا رسالہ قواعد زبان اردو پر ہے جس کو موصوف نے بیس سال کی محنت شاقہ کے بعد حال ہی میں ختم کیا ہے اس میں الفاظ زبان اُردو کے استعمال با محل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ ادبیات اردو میں ایک خاص قسم کا اضافہ ہے اور حضرت آرزو اس کے متعلق فخریہ طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ؎

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم — شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

امید ہے کہ چند مہینوں کے انتظار کے بعد یہ رسالہ بھی ناظرین کے پیش نظر ہوگا۔ فقط

خاکسار

وصی احمد اخگر بی۔ اے ایل ایل۔ بی

وکیل چاندی خانہ

لکھنؤ

جلوہ ہے فریبِ نظر اس دارِ فنا کا
اول وہی آخر وہی اِک نام خدا کا

لائے ہین عدم سے سوِ ہستی نفسِ چند
یہ بھی کوئی دن کے لئے اِک رخ ہی ہوا کا

پیوند گریبانِ دریدہ کا بنا لین
اتنا تو کشادہ نہین دامن بھی قبا کا

چھوٹے گا نہ جادہ کہ ہوں وابستۂ منزل
ہے خطِ جبین نقشِ قدم راہ نما کا

کھو جاتے ہیں دنیا سے ترے ڈھونڈھنے والے
کچھ سلسلہ ملتا ہے فنا ہی سے بقا کا

لب دوختۂ کشمکشِ بیم و رجا ہون
اقرار نہ لب پر ہے نہ انکار خطا کا

موسیٰ پہ نظر مہر کی ہو جلنے لگے طور
کیا بانکی ادا تھی کسے مارا کسے تاکا

اے نکہتِ آوارہ چمن سے تو چلی ہے
رستے میں چھٹے ہاتھ سے دامن نہ صبا کا

کب دست نگر غیر کا ہے جوہرِ ذاتی
ممنون نہین پنجۂ گل برگِ حنا کا

دریوزہ گرِ حرص نہ بن راہِ طلب میں | دل عشق سے خالی ہو تو کاسہ ہے گدا کا

سرگشتہ رہے آرزو اور ہو گئے رخصت
اپنا ادھر آنا کوئی بھٹکا ہوا تھا ہوا کا

۲

رہنے دو تسلی تم اپنی دکھ جھیل چکے دل ٹوٹ گیا
اب ہاتھ ملے سے ہوتا ہے کیا جب ہاتھ سے ناوک چھوٹ گیا
کر چھیڑ نہ او بیدرد صنم اب ناز اٹھا سکتے نہیں ہم
دکھ پر ہو سے دکھ غم پر ہو سے غم جی پست ہوا دل ٹوٹ گیا
کس کام کی ایسی سچائی جو توڑ دے امیدیں دل کی
تھوڑی سی تسلی ہو تو ہی مانا کہ وہ بول کے جھوٹ گیا
منھ موڑ کے بھی اس دنیا سے دنیا کے عذابوں سے نہ بچے
دو آئے سینہ پیٹ گئے اک آیا چھاتی کوٹ گیا
آپس کی کشاکش کیا سہتا نازک تھا تعلق الفت کا

۳

وہ مجھ سے کھنچے میں اُن سے کھنچا بس پیچ سے رشتہ ٹوٹ گیا

شکوہ جو کبھی لب پر لائے چپ ہو گئے وہ نشتر کھائے
آنکھوں میں کچھ آنسو بھر آئے جو آبلہ دل کا پھوٹ گیا

اے آرزو اب اس عقدے کو رہنے دو یونہیں بس حل نہ کرو
تم اُس کی گرہ کیا کھولتے ہو جو رشتہ بندھ کر ٹوٹ گیا

۳

نہ صبا کہہ پیام بلبل کا
دیکھ منہ سرخ ہو گیا گل کا

اے عروج دو روزہ کے فریب
تو ہی باعث نہ ہو تنزل کا

جم کا غرور و قار کھوتا ہے
مانگنا ایک ساغر مل کا

بخیۂ جیب پر نظر پہونچی
ذکر سنتے ہی خندۂ گل کا

دیکھ کر حال ان سے کون کہے
اب یہ موقع نہیں تغافل کا

مردہ قیدی کی کٹتی ہے زنجیر
غم میں کھلتا ہے پیچ کاکل کا

آرزو کھل گئی نفس کی کڑی ہو
ختم ہے دور اس تسلسل کا ہو

۴

یہان تو شام ہی سے اپنی آنکھوں میں سویرا تھا ۔ بجھی جاتی تھی شمعِ داغِ دل اتنا اندھیرا تھا
نظر آتا تھا رہزن بھی نہ کوئی دشتِ غربت مین ۔ ہجومِ بیکسی نے بے سہارے پاکے گھیرا تھا
سمجھ لو خوابِ شیرین سازوسامانِ عیش کی شب کا ۔ کھلی جب آنکھ سوتے سے تو خیمہ تھا نہ ڈیرا تھا
نہ سمجھے دیکھکر سیر اس تماشا گاہ ہستی کی ۔ کبھی ہم ادہر بھی آئے تھے یا پہلا ہی پھیرا تھا
جوانی کا زمانہ باغِ عالم کی پُرآشوبی ہو ۔ نہ تھا خطرہ سے خالی گو کہ اک شب کا بسیرا تھا
یہ تقسیمِ ازل سارے زمانہ سے نرالی تھی ۔ کہ جو کہنے کو دل میرا تھا قابو اُسپہ تیرا تھا
حجاب اُٹھا نہ تھا جب وقت تک کیا تھا خدا جانے ۔ مری آنکھیں نہ تھیں یا سارے عالم مین اندھیرا تھا
نہیں باقی کوئی سامان راحت کا ضعیفی میں ۔ شباب رفتہ کا ہے گو تھا ہمرہ اک لٹیرا تھا
نہ چپ رہتا نہ ہوہ پرسانِ حال اے آرزو ہوتے ۔ ہوا کیا بے طلب حاصل جو کچھ مقصود میرا تھا

۵

کچھ کہتے کہتے اشاروں میں شرما کے کسی کا رہ جانا
وہ میرا سمجھ کر کچھ کا کچھ جو کہنا نہ تھا سب کہہ جانا

کہتے ہیں جسے ہستی کی بنا خود ہے وہ کشاکش کی حالت
ایک ایک نفس کا بنکے چھری سینہ میں گہہ آنا گہہ جانا

کچھ دل بھی اُمنڈتا آتا ہے کچھ رسنے لگے ہیں چھالے بھی
ممکن ہے اَب اے خونِ حسرت آنکھوں سے ٹپک کر بہہ جانا

ظلمت کدۂ زنداں میں تجھے کیا لیل و نہار اسیری کے
آنکھوں کے جھپکنے کھلنے کو بس جلوۂ مہر و مہ جانا

وہ گریۂ خونیں کے ہاتھوں دامن پہ نمایاں ہی ہر جا
ان آنکھوں کی کوتہ بینی نے جس داغ کو تہ در تہ جانا

کی ضبط نے پیدا شانِ جنوں اَب خیر نہیں رازِ دل کی

کچھ بیٹھے بیٹھے کہ اُٹھنا پھر خود ہی جھجک کر رہ جانا

بیتابی ایذائے ہجران تھی پردہ دردِ دردِ نہان
بھرتے ہوئے زخموں کا پھٹنا خوناب جگر کا بہہ جانا

بس آرزوِ نالان بس بس جب خود ہی فغان ہر گرم نفس
آسان ہے پردہ پردہ میں سب حالت دل کہہ جانا

۶

رو بیٹھے آخر دل کو ہم ہونا تھا جو وہ ہو گیا
اک درد تھا سو مٹ چکا اک داغ تھا سو دھو گیا

آنکھین لگائے سوئے در کمبخت جاگا رات بھر
اُسکو کہان اس کی خبر جس کا مقدر سو گیا

جو دل تھا شمع زندگی اب شمع کشتہ ہے وہی
کل شام تک کیا تھا ابھی اور صبح تک کیا ہو گیا

غمخوار کس کا کون ہے دنیا ہے مطلب آشنا
وہ بھی وہیں کا ہو رہا جو اُن کے لینے کو گیا

اس بیدلی میں آرزو سمجھو غنیمت صبر کو
جو بچ رہا سینتو اُسے جو کھو گیا سو کھو گیا

۷

دل نہیں کچھ بھی نہیں جب تک تھا دل کیا کچھ نہ تھا
پاس تھا اپنے ہی سب کچھ پھر بھی اپنا کچھ نہ تھا

شوق کی احول نگاہوں میں تھے روشن سو چراغ
غور سے دیکھا تو جز داغ تمنا کچھ نہ تھا

لاکھ جلوے اک حسیں لاکھوں نگاہیں ایک آنکھ
پردہ خود بے پردگی ہے ورنہ پردا کچھ نہ تھا

ہے جہان میں اپنی اُمیدوں کا بھی کیا سبز باغ
پھول پھل سب کچھ بظاہر ہاتھ ڈالا کچھ نہ تھا

ناز بیجا کا گلہ بیجا ہے تم کو آرزو
اُن کا کھنچنا ناز ہی جب تھا تو بیجا کچھ نہ تھا

۸

نالے کو مرے اے دم بیخودی تاثیر نے کیا دیوانہ کیا
نکلا تو فلک کے پار ہوا پلٹا تو مجھی کو نشانہ کیا

تھے نامۂ شوق کے فرقت میں لیجانے والے بہتیرے
گہ لکھ کے بہایا دریا میں گہ دوشِ صبا پہ روانہ کیا

انجام اگر سوچے انسان ہو آتشِ رنج سے کیوں بریان
مثلِ پروانہ سوختہ جان ہر کام کو بیتابانہ کیا

جو جسکو جلاکر مارے گا انجام وہی اس کا ہوگا
جس طرح کہ شمعِ سوزاں نے تا زیست غم پروانہ کیا

دنیا کی ہوا کب تک کھاتے گھل گھل کے قفس میں مر جاتے
محتی یہ کشش آب و دانہ جو ترک آب و دانہ کیا

۹

تھا دل کو جو خوفِ رسوائی بستی مین طبیعت گھبرائی

ہشیار تھا تیرا سودائی آباد کوئی ویرا نہ کیا

مجبور بنے کیوں دل دیکر پھر ترک وفا اُس سے بدتر

اے آرزوِ بے عقل و ہنر جو تونے کیا اچھا نہ کیا

۹

زمانہ بھر ہے اُس کافر نگہ کے تیر کا مارا
سوا اسکے کہ جو ہو گردش تقدیر کا مارا

سمومِ قہر جانو اس چراغ صبحگاہی کو
کہ پہنچے گا نہ میرے نالۂ شبگیر کا مارا

یہیں ہی اک ہون جو ٹھنڈی سانس بھی اب لے نہیں سکتا
دلِ افسردہ تیرے سوز بے تاثیر کا مارا

کہا جس نے کہ اب اس قید سے مشکل رہائی ہے
اُسی کے منہ پہ حلقہ توڑ کر زنجیر کا مارا

طبیعت کے ہین اوچھے آرزو گہری نظر والے
دکھائے زخم دل کس کو نگہ کے تیر کا مارا

۱۰

پھر کس کے قلمرو میں دنیا کا ورق ہوگا ؟
یہ کس کو خبر کل تک کیا نظم و نسق ہوگا

کہدین گے وہ صاف ایدل جو امر کہ حق ہوگا
جینے میں ترے دکھ ہیں مرنے پہ قلق ہوگا

اے جوش جنون جس دن چٹکے گی کلی دل کی
ہے تنگ سا جو گوشہ صحرا لق و دق ہوگا

یہ جوش بہار گل اور ہجر کی مایوسی ؟
چٹکی جو کلی کوئی دل سینہ مین شق ہوگا

صدمہ نہ سہی میرا نادم تو ہوے ہونگے
آنکھوں میں نہ ہو آنسو ماتھے پہ عرق ہوگا

ہم درس محبت میں ہمدرس تھے مجنوں کے
جو یاد نہیں رہتا وہ اور سبق ہوگا

جب آنکھ سے قاتل کے ٹپکا تھا لہو جیتا
دم سینۂ بسمل میں دو ایک رمق ہوگا

پوشاک ہے زنگاری قاتل کی جو اے گردون
خونین کفن اپنا بھی ہمرنگ شفق ہوگا

مارا ہمین جس دل نے زندہ اسے تو پایا تھا
ہاں سچ ہے تزلزل میں گیتی کا طبق ہوگا

کم کر کے بھی لکھیں گے جو آرزو اس گل کو
مکتوب وہ کم سے کم دس بیس ورق ہوگا

۱۱

اُن کے ہنس دینے پہ خود بھی مسکرا کر رو دیا
اک غریب اپنا مقدر آزما کر رو دیا

وحشت آگین میری باتین درد آگین تھیں ضرور
ہنس کے باتیں کرنے والا منھ پھیر کر رو دیا

جس نے پوچھا حال کیا ہو اُسکی صورت دیکھکر
پہلے ٹھنڈی سانس لی پھر سر جھکا کر رو دیا

مجکو بسمل دیکھکر اک مسکر درد فراق
دور تھا تو ہنس رہا تھا پاس آکر رو دیا

جس نے یہ حالت بنائی وہ بھی آج اے آرزو
چہرۂ بیمار سے چادر ہٹا کر رو دیا ؎

۱۲

جوشِ شباب خیر طلب امن کا نہ تھا
مرجانے مار ڈالنے والا زمانہ تھا

اندازۂ ملامتِ عالم نہ پوچھئے
چارون طرف کے تیر تھے اور اک نشانہ تھا

اَب لطف رنگ اڑی ہوئی تصویرین ہو گیا
ذکر شباب خواب کا گویا فسانہ تھا

پردہ کی چھیڑ چھاڑ میں ہی لطف ہی کچھ اور
وہ سامنے کہاں جو اثر غائبانہ تھا

۱۲

اتنا بھی بار خاطر گلشن نہ ہو کوئی
ٹوٹی وہ شاخ جس پہ مرا آشیانہ تھا

رگ رگ میں جسکی تھا اثرِ جلوہ زار حسن
اس دل کا ریزہ ریزہ اک آئینہ خانہ تھا

دن کی وہ دھوپ رات کی وہ اوس آرزو
تربت پہ صبح و شام نیا شامیانہ تھا

۱۳

ہر گل کو اس چمن کے یون زرق برق پایا
دیکھا تو ایک جانا سونگھا تو فرق پایا

داغون کا سوز دیکھا ہستی مٹانے والا
خرمن کا دانہ دانہ ہمشان برق پایا

بے دید بے نزے تو شب کیا کہ صبح کو بھی
آنکھوں نے اک اندھیرا تا حد شرق پایا

طے کر کے منزلیں بھی مقصد کو ہم نہ پہونچے
جب آنکھ اٹھا کے دیکھا تھوڑا سا فرق پایا

ہم دل کے ڈوبنے پر آنسو بہا رہے تھے
دیکھا تو آپ کو بھی خجلت میں غرق پایا

دل سے رگِ گلو تک وہ فاصلہ ہی کیا تھا
دشواریوں کے چلتوں کوسوں کا فرق پایا

چاک جگر سے پہونچی تکلیف مٹتے مٹتے
ہاں التیام پایا تو بعد خرق پایا

۱۳

سوزش مٹی نہ دل کی اے آرزو ابھی تک
ہر چند بحر غم میں ہر وقت غرق پایا

۱۴

جو راتوں کو جاگا کرتے ہیں یہ پیام انھیں پہونچا دینا
نالوں سے بھی نا ممکن ٹھہرا سوتی قسمت کا جگا دینا

فرقت میں یہ جوش گریۂ غم کافی ہے ڈبو دینے کے لئے
ہے نقش بر آب مری ہستی جب خود نہ مٹوں تو مٹا دینا

کیا پوچھتے ہو اے ہم نفسو کیوں ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہوں
پنکھے سے ہیں گویا دل میں لگے زخموں کا ستم ہے ہوا دینا

جو دکھ میں ہیں خود اے زندہ دلو وہ کس کی خوشی کر سکتے ہیں
آتا ہے تو بس دل کے ہاتھوں رونا اتنا کہ ہنسا دینا

روتے روتے آنکھیں پھوٹیں سوزش ہے وہی داغ دل کی

١٤

دو چشمون سے ممکن نہ ہوا اک چنگاری کا بجھا دینا

دیوانگیٔ دل کی ہم سے بیکار شکایت کرتے ہو

اَب ہم یہ تمھین کو دیدین گے تم آپ اسے سمجھا دینا

بیہوش کو ہوش آنا ممکن کھویا ہوا مل جانا ممکن

ڈھونڈے سے خدا پانا ممکن ناممکن اپنا پتا دینا

دکھ درد کا مارا دل خود ہے کیون آہ و فغان سے روکتے ہین

کیا آرزو آپ بھی سیکھ گئے اُس ظالم سے ایذا دینا

١٥

جی جلا کیا کیا جو آج اک سخت جان مارا گیا

آگ دیدی خون نے خنجر جہان مارا گیا

سر بکف تھا عشق اس سے حسن نے کھینچی تھی تیغ

دل کی شامت تھی کہ آکر درمیان مارا گیا

آگے اُس تیر نگہ کے سب جہان ہے نشانہ گاہ

اک یہان گھائل ہوا تو اک وہان مارا گیا

کس قدر غصہ مرے قاتل کا ہے اے آرزو

مر رہا تھا آپ جو وہ نیم جان مارا گیا

۱۵

خون ہوئیں راہ وفا میں حسرتیں بھی دل کیساتھ
اک مسافر کے لئے سب کاروان مارا گیا

بن گئی تیر آخر شب انتہائے انتظار
ہے خدا شاہد کہ میں وقت اذان مارا گیا

موت تو برحق خوشی دشمن کی لیکن شاق ہے
غم یہ ہے مجکو کہ زیر آسمان مارا گیا

باغ عالم سے چلا نا واقف سیر بہار
ہوں وہ طائر جو میان آشیان مارا گیا

لالہ و گل میں لہو اگلے گی محشر تک زمیں
بیگنہ جس جا کوئی حسرت نشان مارا گیا

کوئے قاتل کی طرف کشتہ کا پھر جاتا ہے منھ
دل میں کہتا ہے جو کوئی یہ کہان مارا گیا

آرزو قاتل وہ نکلا جس نے دی دل میں جگہ
وائے غربت گھر بلا کر میہمان مارا گیا

۱۶

آکے قاصد نے کہا جو وہی اکثر نکلا
نامہ بر سمجھے تھے ہم وہ تو پیمبر نکلا

وائے غربت کہ ہوئے جسکے لئے خانہ خراب
سن کے آواز بھی گھر سے نہ وہ باہر نکلا

دل نے اس چاہ زنخدان میں ڈبویا مجکو
یہ دغاباز بھی یوسف کا برادر نکلا

۱۶

شرح اک حرفِ محبت کی نہ تھی کچھ آسان
لوگ گھبرا گئے شکووں کا جو دفتر نکلا

ہم پشیمان تو ہوئے کھو کے بھرم نالون کا
بارے صد شکر کہ کچھ دل سی ترے ڈر نکلا

ابھی پہونچا تھا قدم تک نہ سرِ عجز و نیاز
تیوریاں چڑھنے لگیں میان سے خنجر نکلا

تھی کسے کشمکشِ ہجر سے اُمیدِ نجات
تن میں جان آئی جو دم سینہ سے کھنچکر نکلا

آرزو و ہم تو حیاتِ ابدی لے کے پھرے
لوگ کہتے ہیں وہ اُس کوچہ سے مر کر نکلا

۱۷

اُس بیوفا سے قاصد اب کیا پیام کہنا
جاتا ہے تو تو اچھا میرا سلام کہنا

چشم وفا کا الزام آنکھوں کی ہوتے دل پر
ایسا یہ ہے کہ جیسے شیشہ کو جام کہنا

ناآشنائے الفت دعوائے پختہ مغزی
بیجا نہیں ہے اسکو سودائے خام کہنا

گر شمع ہوں سراپا تو بھی نہیں ہے ممکن
دل کی جلی کٹی کا قصہ تمام کہنا

کس تجربہ پہ ناصح جائز کیا ہی تونے
اِس کو حلال کہنا اُس کو حرام کہنا

یوسف کا واقعہ کیا تم نے سنا ہو گا
اللہ راس لائے اپنا غلام کہنا

کچھ پاس بمروت تجھکو کسی کا بھی ہے
کہنا بُرا اور اُسپر رکھے نام کہنا

کچھ ٹالنے کی حد بھی پیری بنی جوانی
ہر شام صبح کہنا ہر صبح شام کہنا

کی احتیاط جتنی اتنا ہی کام بگڑا
اپنے سے بن نہ آیا اپنا پیام کہنا

غصہ کی ہر ادا ہے جامہ سے اپنے باہر
تلوار کو ہے لازم اب بے نیام کہنا

کاٹے زبان وہ ظالم ہل جائے ہونٹ بھی گر
مشکل ہے آرزو اب کوئی کلام کہنا

۱۸

جو سخن اُس زبان سے نکلا
تیر گویا کمان سے نکلا

کم نہ تھی تیغ سے ادائے خرام
دوست دشمن کی شان سے نکلا

تھے نمائش میں ایک شوق ہوس
فرق کچھ امتحان سے نکلا

مرحبا ناز آفرین قاتل
کھینچ کے خنجر بھی میان سے نکلا

۱۸

سانس بھی منھ سے دل جلانے جو لی
ایک شعلہ زبان سے نکلا

دل ہجوم ہوس سے نکلا خوب
اور بڑی آن بان سے نکلا

امتحان میں وہ بیوفا بے مہر
بڑھ کے میرے گمان سے نکلا

بخیہ گر پھر وہی ہے شان جنوں
کہ گریبان نشان سے نکلا

آرزو عشق میں ہے پیر طریق
یہ چلن اس جوان سے نکلا

۱۹
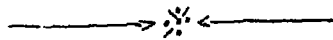
نادان کی دوستی میں جی کا ضرر نہ جانا
اک کام کر تو بیٹھے اور ہائے کر نہ جانا

نادانیاں ہزاروں دانائی اک یہی کی
دنیا کو کچھ نہ جانا اور عمر بھر نہ جانا

ملتا پتہ اسی سے کچھ میری خود گمی کا
اپنی بھی غفلتوں کو او بے خبر نہ جانا

ہیں کوچۂ طلب میں اے دل ہزار خطرے
پھرنا جہاں بھر میں لیکن ادھر نہ جانا

آنا [illegible] گیا ہے
[illegible] نے بیداد گر نہ جانا

۱۹

جانکاہی محبت ہمنے تری بدولت | کیا چیز زندگی ہے یہ عمر بھر نہ جانا

ہم آرزو اُسے بھی سیدھی سی بات سمجھے
گو طنز کی تھی اُس نے اب اٹھ کے گھر نہ جانا

۲۰

ختم ہی ہو نہ سکا عشق مین جو کام ملا | کوچہ گردی سے نہ تھک کر کبھی آرام ملا

چین پاسکتے تھے کیا میرے ستانے والے | ایکبا درد کو بھی دل مین نہ آرام ملا

کھینچ کر آہ زمانے کی جو حالت دیکھی | تو چراغ ایک بھی روشن نہ سرِ شام ملا

ہے ابھی مادۂ سوز نہان بے تکمیل | کہ ہر ایک آبلۂ قلب و جگر خام ملا

میں نے دل دے کے یہ جانا کہ خریدا یوسف | اور وہ اس مال کو سمجھے ہین کہ بے دام ملا

وحشت آباد محبت مین سبھی ہین مجنون | جو ملا نامور اس ملک مین گمنام ملا

زلف اُسوقت ہوئی تیر نظر کی ممنون | کہ پھڑکتا ہوا نخچیر تہ دام ملا

تجربہ بے تجربہ کار [illegible] کام آئے | کہ میاں کار گہہ عشق میں ہر کام ملا

۲۰

آرزو کانٹے ہی کانٹے فقط اس باغ میں تھے
گلبدن ہم کو نہ کوئی سمن اندام ملا

۲۱
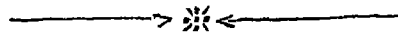
پردۂ در حیا تھی خود کچھ نہ ہمیں حجاب تھا
آنکھ کھلی تو یہ کھلا ہم وہ نہ تھے شباب تھا

ولولۂ گنہ میں تھی خوف عذاب کی جھلک
رنگ مرے شباب کا کھلتا ہوا خضاب تھا

جرمِ ہوس کی ہم کو تو جیتے ہی جی سزا ملی
سانس نہ کہیے پھانس تھی دم نہ تھا اک عذاب تھا

ہائے فروغِ سوزِ غم کیا میں کہوں وہ دن تھے کیا
اب جسے داغ کہتے ہیں غیرتِ آفتاب تھا

ضبط سے کیا فراق میں سیلِ سرشک کا گلہ
آنکھ تو آنکھ ہی ہے پھر دل بھی تو آب آب تھا

رہتا مرے بیان میں ربط کہاں سے ہمنشین
ذکرِ شبابِ رفتہ کا بھولا ہوا سا خواب تھا

ہنستے ہیں جو رو دیا رونے پہ تم بھی ہنس دیے
جو ابھی دے چکا ہوں میں یہ تو وہی جواب تھا

عہدِ وفا کا آرزو اور یہ آسمانِ پیر تو
اس کی تو کم سنی تھی خیر آپ کا نو شباب تھا

۲۲

پیچھے غبار قافلہ آگے جرس گیا
دل میر کاروان تھا کہ بے پیش وپس گیا

خالی نہ عندلیب کا سوزِ نفس گیا
وہ لُو چلی کہ رنگ گلون کا جھلس گیا

تھا پوچھنا مزاج جو اُس شہسوار کا
پہونچی وہیں تک آہ جہان تک فرس گیا

صیاد کا برا ہو کہ جب تک رہی بہار
بیدرد روز باغ میں لے کر قفس گیا

رو کر خجل ہوئے رسنِ زلف کے اسیر
بھیگا جو آنسوؤن سے تو بند اور کس گیا

ابتک تو اُس کے زیور گل کی پھبن ہے یاد
پھولون میں کیا بسا کہ مری دل مین بس گیا

چھوتے نہین ہین ساغرِ خالی کو بادہ نوش
پھر دیکھتا ہے کون جب آنکھون سے رس گیا

ترسے ہوون کی بزم میں ساقی کا دست فیض
ٹکڑا تھا ابر کا کہ اُٹھا اور برس گیا

آنکھون نے جب سے کھول دیا رازِ آرزو
صورت بھی اُن کی دیکھنے کو جی ترس گیا

۲۳

حال مرا ابتر تھا کیسا شب جو وہ محوِ زینت تھا
اپنے سراپا ناز کے آگے میں بھی سراپا حسرت تھا

حسن کی فتنہ پردازی سے رشک بڑھا دلسوزی میں
دیکھ کے مجھکو جلنے والا میرا چراغ خلوت تھا

رات گزرنا بیچینی سے چین یہی ہے عاشق کا
درد جو کچھ تھا میٹھا میٹھا وہ بھی حسب ضرورت تھا

حسن کی افزونی بھی گویا سوز غم کی ترقی ہے
اب ہے وہی خورشید محشر کل جو چراغ خلوت تھا

صبر کبھی کاہے کو کیا تھا عشق کی لیکن مجبوری
ٹھنڈے دل سے ہوتا کیونکر کام خلاف عادت تھا

دید کی حسرت آرزو اب تو دنیا اُلٹے دیتی ہے
ترسی نظریں وعدۂ فردا اک سامان قیامت تھا

۲۴

یہ اُس کے ایک اشارہ نے قتل عام کیا
قضا نے جس کے تصدق میں اپنا نام کیا

نہ کچھ پیام سنایا نہ کچھ کلام کیا
جو قاصد آیا تو جھک جھک کر مجھے سلام کیا

بڑا ہے کام ترے آگے لب ہلانا بھی
ہوئے کلیم جو رُک رُک کے بھی کلام کیا

سکھائی جن کی نزاکت نے خودکشی مجھکو
وہ جانتے ہیں کہ ہم نے بھی کوئی کام کیا

قدان کا یاڑھ پر آتے ہی ہوگئی آفت
نگاہِ ناز نے اعلانِ قتل عام کیا

زبان تک نہ ہلی اُن کے روبروئے شمع
ترے سکوت نے قصہ مرا تمام کیا

پھنسا کے زلف میں دل آرزو نہیں معلوم
اسیر دام ہوئے یا اسیر دام کیا

۲۵

بیکاریٔ فرقت میں ہم نے ہاتھوں سے نہ کیا کیا کام لیا

اُٹھے تو سنبھالے دل اُٹھے بیٹھے تو کلیجا تھام لیا

قاصد سے مرے یون ہی نہیں کد ہی عاقبت اندیشی بجید
سوچا کہ جواب بنے نہ سند نامہ نہ لیا پیغام لیا

سرمست شراب شوق پہ تھا الزام بڑا خودداری کا
اے لغزش پا تو نے اسدم اک گرتے ہوئے کو تھام لیا

محفل مین بہم مانع تھی حیا ہوے مطلب اشارون ہی میں ادا
باتون کا اگر موقع نہ ملا آنکھوں سے زبان کا کام لیا

فرقت مین ہے گردش بخت عدو غم کے ہیں سرور مین بھی پہلو
دل بھر آیا ٹپکے آنسو چھلکا کے جو مے کا جام لیا

برخاستہ خاطر ایسے تھے، روکے نہ رکین گے اب جیسے
پھر اوٹھتے اوٹھتے بیٹھ گئے جب اُس نے گریبان تھام لیا

چھیڑا جو کسی نے دیکے قسم ظاہر وہ ہوا پنہان تھا جو غم
چپ بیٹھے تھے جس کی یاد میں ہم بولے تو اُسی کا نام لیا

۲۵

گو ضعف سے اٹھ بھی نہ سکتے تھے اُن تک پہونچے گرتے پڑتے

اس دل سے خدا سمجھے جس نے جو ہو نہ سکے وہ کام لیا

دم بھر بھی قرار بھلا ہے کسے بیتابیٔ دردِ فرقت سے

بیہوش رہے تو یہ سمجھے بس اتنی دیر آرام لیا

اے آرزو اب کیا ذکر اس کا جانے دو جو وہ بیدید گیا

پھر مجھ سے کوئی ہوگا نہ بُرا گر آج سے دل کا نام لیا

۲۶

لگے گی دنیا میں آگ ہر سو کہ ضبط سوزِ نہان نہ ہوگا

جو دل سے نکلا تو دیکھ لینا یہ اک شرارہ کہاں نہ ہوگا

یہ مرغِ تصویر کی فغان ہے یہ دل کی گونگے کے داستان ہے

جو حال سننا تمھیں گران ہے وہ خود ہمیں سے بیان نہ ہوگا

عیان ہے دردِ نہان کی شدت کہیں چھپی بھی ہے رونی صورت

اگر فغاں میں ہے کچھ کرامت تو ضبط بھی رائگاں نہ ہوگا

نہ شکل پروانہ جل رہے ہیں نہ شمع بنکر پگھل رہے ہیں
یہ راہ اس طرح چل رہے ہیں کہ پاؤں کا بھی نشاں نہ ہوگا

خزاں میں کیا بڑھ کے ہیں گلوں سے جو رہنے دیں آشیاں کے تنکے
وہ کام خود ہم ہیں کرنے والے کہ تجھ سے اے باغباں نہ ہوگا

جہاں جہاں دل میں درد سا ہے وہ زخم قاتل نگاہ کا ہے
مگر اسے کون مانتا ہے پڑے گا ناوک نشاں نہ ہوگا

جو ترک کر دی وفا پرستی نہ ہوگا ویرانہ اور نہ بستی
جہاں کی ہستی ہے اپنی ہستی جو ہم نہ ہوں گے جہاں نہ ہوگا

پڑے ہیں گو سوز غم کے پالے نہ کھا کے چرکے کریں گے نالے
حیا کے پابند ضبط والے جلیں گے لیکن دھواں نہ ہوگا

گداز ٹپکے گا خود قلم سے جمیں گے کاغذ پہ خون کے لختے
ہم اس کی تصویر کھینچ دیں گے جو آرزو سے بیاں نہ ہوگا

۲۷

یاری مجھ سے کیا کی پیدا ہر اک سے یارانہ چھوٹا
احباب چھٹے اغیار چھٹے ہر اپنا بیگانہ چھوٹا

دل سیر ہوا ہے جینے سے منھ باندھے ہوئے چپ بیٹھے ہین
کھانا کیسا پینا کیسا پانی چھوٹا دانہ چھوٹا

کس مست سے ساقی آنکھ لڑی بے مے پئے کیفیت یہ ہوئی
اس ہاتھ سے بوتل چھوٹ پڑی اُس ہاتھ سے پیمانہ چھوٹا

بیڑی جو تری منت کی بڑھی پہونچا اثر اُس کا اُس جا بھی
وہ قید جنون اُس نے توڑی وہ تیرا دیوانہ چھوٹا

کل کہتے تھے ہم کچھ حال دلی ان پر بھی تھی محویت طاری
اُس لطف مین یاد نہیں یہ بھی کس جا سے وہ افسانہ چھوٹا

تھا سوز جدائی تو جلتا تیرے بھی اثر کو دیکھ لیا

کیون آگ مین اپنی جل نہ بجھا جب شمع سے پروانہ چھوٹا

بس آرزو اپنے مشرب کی تھی بادہ پرستی اتنی ہی لو
جس دن سے چھٹا اِک متوالا اس دن سے میخانہ چھوٹا

———— ————

۲۸

جگر کی آگ نے ہر ایک عضو تن جلا ڈالا
اسی پوشیدہ چنگاری نے سب خرمن جلا ڈالا

وہ دل جس دل سے نکلے گرم نالے غم میں عاشق کے
چراغ اک تھا جسے رکھکر سر مدفن جلا ڈالا

ملین الفت سے دو شاخین کہ فوراً آگ لگ اٹھی
یہ بجلی اس طرح کوندی کہ سب گلشن جلا ڈالا

نہو گا نرم دل اُس بت کا دم بھر کو بھی اے نالو
نتیجہ کیا جو پھونکا سنگ یا آہن جلا ڈالا

کفن میں یون ہون میں جسطرح خاکستر میں چنگاری
بجھے شعلہ نے اپنا آپ پیراہن جلا ڈالا

بدی کا مستحق انسان نیکی کرکے ہوتا ہے
جو بجھنے سے بچی اُس شمع نے دامن جلا ڈالا

گلہ ہے آرزو اُس سے نہ جلنے کا نہ بجھنے کا
جلائی جس نے پہلے جان اور پھر تن جلا ڈالا

۲۹

جب نہ داغ فراق دلبر تھا
دل نہ تھا بے چراغ اک گھر تھا

جادۂ جستجو مرا گھر تھا
نقش پائے حبیب بستر تھا

وعدہ کرکے کیا تھا قید اُس نے
مین تھا ہر وقت اور مرا گھر تھا

اس زمانہ سے ہون مین حلقہ بگوش
سادگی جب بتون کا زیور تھا

دل ترا موم سے بھی نرم سہی
مگر اپنے لئے تو پتھر تھا

جب دوائے مرض نہ کی اُسنے
کس مرض کی دوا وہ دلبر تھا

یاد مژگان کی تھی خلش جب تک
دل کی ہر رگ مین ایک نشتر تھا

وہ مرا اعتبار کیا کرتے
خود مجھے اعتبار کس پر تھا

آتے آتے جو رک رہے سر شام
تم کو کس روسیاہ کا ڈر تھا

آرزو وہ بُرے کسی سے نہین
یہ بُرا اپنا ہی مقدر تھا

۳۰

ماتھے کی شکن بنکر غم دل کا عیاں ہوتا
سینہ پہ چھری پڑتی چہرہ پہ نشان ہوتا

ہم آپ ہی باعث ہیں اس خانہ خرابی کو
اُس کوچہ مین جا بستے جنت میں مکان ہوتا

یہ دل کہ نگاہوں میں اک منظر حسرت ہو
پستا جو نہ ادل ہی آشوب جہاں ہوتا

وہ قصۂ دردآگین چپ کر دیا تھا جسنے
تم سے نہ سنا جاتا مجھ سے نہ بیان ہوتا

اے شمع خموشی ہی اُس بزم میں اچھی تھی
دل جلتا تو لو اُٹھتی بجھتا تو دھوان ہوتا

دو تند ہواؤں پر بنیاد ہے طوفان کی
یا تم نہ حسین ہوتے یا میں نہ جوان ہوتا

چپ رہتے جو محشر مین اے آرزو اور اک دم
ہر زخم دہن بنتا ہر تیر زبان ہوتا

۳۱

گھر نہ جب تک دل خستہ تری تصویر کا تھا
اے نمونہ کہی بگڑی ہوئی تعمیر کا تھا

۳۱

قید کچھ بڑھ گئی تھی کوشش آزادی سے
ہاتھ پابند بندھے پاؤن کی زنجیر کا تھا

جس نے بیگانہ بنایا وہ محبت ہے تری
ورنہ میرا ہی سا نقشہ مری تصویر کا تھا

کیا ہوا کس نے لیا یہ تو خدا ہی جانے
دل کا سینہ مین پتہ تھا نہ ترے تیر کا تھا

مین تھا اس شوق مین خاموش کہ وہ کچھ بولے
منتظر اپنی جگہ وہ مری تقریر کا تھا

شکل دیکھا کیے دانتون مین قلم دابے ہوئے
کہ نہ تقریر کا موقع تھا نہ تحریر کا تھا

آپ احسان جتاتے ہوئے کیون آئے ہیں
ابھی نالہ جو کیا تھا اسی تاثیر کا تھا

بچ کے چلنے سے پھنسا گیسوئے پرپیچ مین دل
آرزو کچھ بھی نہیں پھیر یہ تقدیر کا تھا

۳۲

سرخ ہر ذرہ کوئے قاتل کا
خشک سا قطرہ ہے خون بسمل کا

زخم کیونکر دکھاؤن [illegible] کا
[illegible] کا ہے میرے قاتل کا

دل تو ٹھہرا ہوا ہے بسمل کا
ہاتھ کیون کانپتا ہے قاتل کا

ہے رہِ شوق میں دلِ مایوس
جھلملاتا چراغ منزل کا

اُن کا رُخ بھی ہے میری دل کی طرح
آئینہ دار اپنی محفل کا

یہی شیشہ صدا نہیں دیتا
حسرت آگین ہے ٹوٹنا دل کا

ہے ادا جانستان قضا کیسی
نام بدلا ہوا ہے قاتل کا

اب کہاں چین اے خیالِ حبیب
ہائے تو درد بن گیا دل کا

موج لے ڈوبی عمر کی کشتی
آج پایا نشان ساحل کا

دیکھ دیکھ اے نگاہِ زود کرم
ہاتھ بڑھنے نہ پائے ساحل کا

تم تو جاتے ہو میں یہ ڈرتا ہوں
وقت آجائے پھر نہ مشکل کا

اس دُھندلکے میں راہ کیا سوجھے
ہے جوانی سواد منزل کا

آرزو آئینہ وہ توڑتے کیا
شک مگر ہو گیا مرے دل کا

۳۴

ظاہر مین تو ظاہر تھا باطن مین نہان مین تھا
خود بھی یہ نہین واقف لیکن کہ کہان مین تھا

سب لطف اُسی جا تھے القصہ جہان مین تھا
اے بیخودیٔ الفت آخر یہ کہان مین تھا

دیتی ہین پتہ آنکھین اک اور تجلی کا
کہنے کو تو کہہ نالہ کل شعلہ فشان مین تھا

کہتے ہین وہ ہمنفس جنس سے کے تھا کون فدا تجھپر
جی چاہتا ہے اب تو خود کہدون کہ ہان مین تھا

بلبل نہین پروانہ اور کہیے تو ہے تہمت
باتین وہ بناتے ہین کب نالہ کنان مین تھا

آنسو کہین دامن پر دامن کہین کانشو تھیسو
ہر منزل حسرت مین عبرت کا نشان مین تھا

حال دل اختر کی تاثیر و جاذب تھی

ہوش اون کے پراگندہ آشفتہ بیان مین تہا

ہر رنگ مین ظاہر تھی میری ہی پریشانی
نالون کے شرر مین تھا آہون کا دہوان مین تہا

تھی آرزو اپنی ہی یہ شرم یہ بے شرمی
پروانے کی خاموشی بلبل کی فغان مین تہا

---

(۳۴)

آج وہ بام پر نہین آتا
نظر آتا نظر نہین آتا

ضبط سوز نہان معاذ اللہ
آبلہ کیون ابھر نہین آتا

آکے جاتا نہین خیال اوس کا
جاکے وہ بے خبر نہین آتا

ہے شب ہجر کسقدر تاریک
جس مین تارا نظر نہین آتا

ابتو ادسنکے مریض غفلت کو
ہوش دو دو پہر نہین آتا

ادب آموز ہے زبان کا سکوت
صبر دل کو مگر نہین آتا

آرزو دل مین جب سے سجائی
کیون زبان مین اثر نہین آتا

۳۵

پانی کا رنگ آتش غم سے بگڑ گیا
جو اشک جس جگہ پہ گرا داغ پڑ گیا

ہے قصد ضبط آہ کمان ستم کا تیر
سینہ مین سانس رکتے ہی پیکان سا گڑ گیا

زنجیر ضبط کشمکش غم نے توڑ دی
شعلہ اوٹھا جو حلقہ سے حلقہ رگڑ گیا

لطف بہار کچھ نہین گو ہے وہی بہار
دل کیا اوجڑ گیا کہ زمانہ اوجڑ گیا

طوفان کی ہے موج یہ ہستئ بے بقا
اک نقش دم زدن مین بنا اک بگڑ گیا

عہد شباب کیا ہے عروسی کی ایک رات
سب شام کا سنگار سحر تک اوجڑ گیا

کیا دلشکن تھی نزع مین ظالم کی ٹھنڈی سانس
شیشہ تھا گرم سرد ہوا بال پڑ گیا

اوٹھے جو آپ توڑ کے بیمار غم کی آس
اک سانس اُن غریب نے لی دم اوکھڑ گیا

تھا آرزو فریب تسلی رفوئے خام

آئی ہنسی جو زخم کو ٹانکا اودھڑ گیا

---

(۳۶)

یہ الفت کا قرینا کیسا
مر کے کسی پر جینا کیسا

ہاتھ سے اون کے چاک ہوا جو
پھر وہ گریبان سینا کیسا

نشہ مین تو سب مصیبت
ہجر مین لیکن پینا کیسا

چاند سا اوسکا منھ نہین دیکھا
گذرے دیکھین مہینا کیسا

اٹھے دل کی زبان سے نالہ
دو بھر ہو کے جینا کیسا

عشق لہو پانی کرتا ہے
خون نہین تو پسینا کیسا

آرزو اب تم خود دل جاؤ
دوست سے دل مین کینا کیسا

---

(۳۷)

رہ عجز مین سر جو خم ہو گیا ‏ — گریبان رکاب قدم ہو گیا
لکھا حال دل کچھ تو انگشت سان ‏ — شہادت کو حاضر قلم ہو گیا
جفا سے بھی وہ ہو گئے دستکش ‏ — دل باوفا بے ستم ہو گیا
زمانے کی وسینے لگا دل خبر ‏ — یہ جام گلی جام جم ہو گیا
اثر آتش تر کا ساقی نہ پوچھ ‏ — لگی آگ دامن جو نم ہو گیا
ٹپکتے ہی کاغذ پہ کچھ اشک خون ‏ — سب احوال پنہان رقم ہو گیا
خدا کو پکارین کہان جاکے اب ‏ — کہ کعبہ بھی بیت الصنم ہو گیا
مگر یہ بھی تھا جذب بے امتیاز ‏ — کہ دل اپنا پابند غم ہو گیا

وہ ترک آج غصہ مین ہے آرزو
کہا کچھ کہ خنجر علم ہو گیا

———•••———

(۳۸)

دل کا جس شخص کے پتا پایا ‏ — اوسکو آفت مین مبتلا پایا

مین نے تو درد جانفزا پایا
آپ نے دل دکھاکے کیا پایا

نفع اپنا ہو کچھ تو دو نقصان
مجھکو دنیا سے کھوکے کیا پایا

ہوئے مجبور دل سے عشق مین کیا
جیسے ہر شخص نے دبا پایا

سب خطا اضطراب شوق کی تھی
تیر قاتل کو بے خطا پایا

اوسکے انجام پر ہوا افسوس
جو طرفدار آپ کا پایا

کوئے حسرت مین دل کا سرمایہ
کچھ کہین کچھ کہین پڑا پایا

دست گستاخ آرزو کانپا
جب وہ دامن پھٹا ہوا پایا

---

(۳۹)

خود بھی رہ تڑپے گا جو تڑپائے گا
صبر کیا عاشق کا خالی جائے گا

ہوگی حاصل عشق مین جس کی مراد
نامرادی کا مری غم کھائے گا

دین گے کب تک ہجر مین غمخوار ساتھ
جب اکیلا ہون گا جی گھبرائے گا

بیکسی مین بھی گذر رہی جائے گی / دل کو مین اور دل مجھے سمجھائے گا

بے تسلی قتل بسمل کب ہے سہل / ہاتھ جو مارو گے خالی جائے گا

تیرے دیوانے کا زندان تنگ ہے / جس طرف جائے گا ٹکر کھائے گا

طول تمہید آرزو اچھا نہین / مطلب دل دیکھو پھر رہ جائے گا

---

(۴۰)

اے نگہ دلفریب کیا یہ ستم کر دیا / حوصلے جب بڑھ چلے ربا کو کم کر دیا

تجھسے ہی مشکل نباہ مرتے تھے اس غم سے آہ / پھیر کے تو نے نگاہ اور ستم کر دیا

غم یوہین دوگے اگر کیون نہ جلے گا جگر / آتش و خس کو مگر تم نے بہم کر دیا

پھیر نہ ہمپر چھری اے نفس زندگی / آمد و شد نے تری ناک مین دم کر دیا

رکھتی تھی فرقت کی آگ دیدہ و دل سے جو لاگ / اسمین لگا دی اک آگ اور اسے نم کر دیا

دیکھے فریب و دغا پوچھ لیے دل کے راز / اے نگہ التفات تو نے ستم کر دیا

تم نے مرے شوق کی بوسہ مین حد دیکھ لی | ہونٹون پہ جان آگئی لب جو بہم کر دیا

یہ سخن اے آرزو عشق کا مارا ہے تو
کون سی تھی گفتگو بزم کو بسمل کر دیا

---

(۴۱)

بیمروت سے دل لگانا کیا | آزمائے کو آزمانا کیا
شان ہے عاشقی کی رسوائی | شرم کس بات کی چھپانا کیا
یون بھی مشکوک ہوگا نامۂ شوق | لگ گیا جو اوسے مٹانا کیا
عاشقی کا شباب ہی مین ہے لطف | پھر بھی آئے گا یہ زمانہ کیا
شوق اپنی زبان سے خود ہی | راز دل کا زبان پہ لانا کیا
پوچھنا اوس سے کیا جو کہہ نہ سکے | جو نہ سمجھے اوسے سنانا کیا
اب تو آنسو ٹپک پڑے سر بزم | نالین کیونکر کرین بہانا کیا

آرزو چپ ہو صورت تصویر

عشق کا اک یہی ہے بانا کیا

(۴۲)

قول ہر ہچکی میں ہے اپنے دل آگاہ کا
موت ہے یاد اک صنم کی نام ہے اللہ کا

پھر خدائی ہی قبضہ ایک جنت کیا ہے چیز
ہاتھ آ جائے فقط دامن رسول اللہ کا

بند آنکھیں رہ ہر وونکی بیش ظلمات ہوں
دوپہری تاریکی کیا ٹھیک ولی سیدھی راہ کا

ڈر سے تاثیر زبان سے ہو گیا ہولی سے اور
تیر گویا مار اسنے کھینچ لینا آہ کا

بند کر چشم طمع راہ صداقت دل سے پوچھ
اک چراغ غول ہے نقش قدم گمراہ کا

ہو گئے ہیں یکجا الفت میں اپنے روز و شب
گھٹنا بڑھنا داغ کا جلوہ ہے مہر و ماہ کا

پاؤں کیا پکڑیگی خارستان حسرت کی زمین
خود کھنچیگا ہر قدم تلوے سے کانٹا راہ کا

موج تھی اوسکی کہ اک پھیرا ادھر بھی ہو گیا
خیر او بت اب نہ آئیگا فقیر اللہ کا

لو اودھر کی لگ گئی ہے اے ہوائے دشت حشر
آندھیوں سے بجھ نہیں سکتا کنول درگاہ کا

اوڑ سکے لپٹا ہاتھ سے قاتل کا دامن آپ ہی
حوصلہ کیا ورنہ میری ہمت کوتاہ کا

قبر سر حد شاہراہ عدل کی ہی آرزو
ایک اس منزل مین بستر ہی گدا و شاہ کا

---

(۴۴)

ہستی کی حقیقت کو گر بعد فنا جانا
اب سوچے تو کیا سوچے اب جانا تو کیا جانا

کہہ سکتا ہی کیا کوئی جبتک یہ نہو ظاہر
مین نے تجھے کیا سمجھا تو نے مجھے کیا جانا

وہ رنگ حقیقت مین ڈوبا ہوا ہے جسنے
ہر رنگ کو دنیا کے نیرنگ قضا جانا

زندان کی عرقریزی صحرا سے نہ کچھ کم تھی
ماتھے کے پسینے کو خون کف پا جانا

اک شوق کے اندھے کو درکار نہین آنکھین
اچھا بھی ہے تو کیا ہے جب دل نے برا جانا

خود اپنا مسیحا ہے الفت مین وہ آزاری
جس نے سم قاتل کو اک تلخ دوا جانا

بیچہرئیے قاتل کو دل کہتا ہے نادانی
سمجھا بھی تو کیا سمجھا جانا بھی تو کیا جانا

آزار جدائی سے واقف تھا نہ دل پہلے
جب تلخ ہوا جینا الفت کا مزا جانا

بجلی سے جھپک جانا بیساختہ آنکھون کا

اور یاد کوئی جلوہ اے آرزو آجانا

(۴۵)

نہ ہو جب کوئی حشر سوز نہان کا
تو جنت کہان کی جہنم کہان کا

نہ او ترا مرا نشہ تا دور دیگر
تصرف ہی اک یہ بھی پیر مغان کا

سوز ہر مائل ہے اک خوگر غم
کرے دیکھیے کیا یہ چسکا زبان کا

زبان تو نے پائی ہے اے شمع کیسی
نہ تاب خموشی نہ یارا بیان کا

دیے دل نے بدشو رہ نے دست ہنکر
بغل مین یہ بیٹھا تھا دشمن کہان کا

چلی برق پھیلا کے شعلہ کا دامن
کہ تنکا بھی ضایع نہ ہو آشیان کا

ہم آواز بلبل ہون اے آرزو مین
مرا دوست ہی ہر عدو باغبان کا

(۴۶)

آہ وہ کھینچی کہ محفل بھر کو برہم کر دیا
آج دو حرفوں میں ہم نے شکوۂ غم کر دیا

راز کیونکر چھپ سکے تدبیر کیونکر بن پڑے
بیخودی کو عشق نے سب پر مقدم کر دیا

جس کے آئینہ کا پردہ رخ سے اوٹھتے رنگ نے
راز پنہان کا زمانے بھر کو محرم کر دیا

حسرت امید تو نے تشنۂ دیدار کو
تھوڑا تھوڑا سا دیا اور وہ بھی تھم تھم کر دیا

دی نگاہ بے مروت کو لگا اپنے فریب
اک ذرا سی تھی خوشی دل میں جسے غم کر دیا

شمع بڑھتے روشنی نے شعلۂ آنسو کی
رات کیسی ایک حصہ عمر کا کم کر دیا

آرزو بے موت مارا اپنے قاتل نے مجھے
اسقدر حسرت میں تڑپایا کہ بیدم کر دیا

---

(۴۷)

ہمدم تو ہے کچھ ایک ہی سا شوق و ہوس کا
نکلیں تو کھلے فرق اسیران قفس کا

آیا [illegible] کی کشاکش سے ہمیں چکر [illegible]
اک رشتۂ پیچیدہ ہے ہر تار نفس کا

رہ جاتی ہیں رستہ ہی میں تھک تھک کے نگاہیں
کچھ فاصلہ اتنا ہے نشیمن سے قفس کا

مشتاق کو وہ وعدہ فرولہے قیامت | جو چند مہینون کا نہ دو چار برس کا
وارفتہ بنا دینے سے دل کے کوئی قاتل | اب یہ مرے قابو کا نہ ہو آپکے بس کا
ہے بزم طرب راہ سفر یا د وطن مین | نغمہ سے نہین کم مجھے نالہ بھی جرس کا

اے آرزو اس باغ مین پھولون کے قفس سے
بہتر ہین اپنا وہ نشیمن کہ ہے خس کا

---

(۴۸)

زخم بازو سے ہے گہرا زخم دل نخچیر کا | اوس نگاہ ناز سے ہلکا ہے پلہ تیر کا
ترکش صیاد ظالم دل ہے اوس نخچیر کا | جسکا ہر نالہ بجائے تو دے پیکان تیر کا
المدد اے زور وحشت آچلی فصل بہار | کھینچتا ہے جیسے پھر کوئی سرا زنجیر کا
تیر تیجر پہ لگا کر دل مین کیا پچھتاے ہم | دون کا اُف کرنا کہ جاتا آہ سے تاثیر کا
دل صفائی مین ہے شیشہ جذب مین آئینہ ہے | اس رخ کے دونون ہی جانب ہین آئینہ دار کا
چھٹ گئے قیدی بندھے بیٹھے ہین اس کے چین ہم | ٹوٹنا ممکن نہین اس قید بے زنجیر کا

کس سے بیدردی یہ ہوتی تجھ سے ظالم کے سوا | ہاتھ بھی دل پر نہ رکھنا کھینچ لینا تیر کا

ہین یہان تڑپا، وہان وہ کروٹین لینے لگے | ہان مرے دردِ جگر یہ ہے مزہ تاثیر کا

ہے تصور کی روش وحشت مین کیا معجز نما | کان تک آتا نہین غل پاؤن کی زنجیر کا

دردِ پنہان نے دیا عاشق کا ہر پیکر مین ساتھ | رنگ اڑا جاتا ہی چہرہ سے مری تصویر کا

کثرتِ عصیان بچائیگی مجھے روزِ حساب | کاتبِ اعمال کو وقفہ نہین تحریر کا

اس جوابِ خط کے صدقے اور بھی دل پھٹ گیا | چاک کرکے بھیجنا کیا فرض تھا تحریر کا

ڈھونڈھتے پھرتے ہین اسکو دل مین جو موجود ہے
آرزو کچھ بھی نہین یہ پھیر ہے تقدیر کا

---

(۴۹)

سلسلہ اون لٹ سے کیا ہو گیا | جان کو دل خود ہی بلا ہو گیا

دل سے کھینچی ضعف مین اسطرح آہ | جیسے کہ اک فرض ادا ہو گیا

جب نہ دوا درد کی کچھ ہو سکی | درد ہی آخر کو دوا ہو گیا

وضع کیے حسن نے آئین ناز	ظلم غریبوں پہ روا ہوگیا

دیکھتے ہی دیکھتے اے آرزو
حال ترا کیا سے یہ کیا ہوگیا

(۵۰)

لگی نے کہنہ قصہ تازہ افسانہ بنا ڈالا
کہ گل کو شمع اور بلبل کو پروانہ بنا ڈالا

تصدق چشم ساقی کے فدا اپنے تصور کے
جب آنکھیں بند کرلیں ایک پیمانہ بنا ڈالا

وہ دو باتیں بھی پیدا کی ہوئی تھیں بدگمانی کی
زبان نے طول دے کر جنکو افسانہ بنا ڈالا

جنون کے شغل بیکاری نے کی کیا کار پردازی
کہ دیواریں گرا کر گھر کو ویرانہ بنا ڈالا

جمال ظاہری بنتا ہے زینہ حسن باطن کا
نہ سمجھے حرمت کعبہ تو بتخانہ بنا ڈالا

ادا کی آزمائش کون سا کار ضروری تھا
کہ اک اچھے بھلے کو تم نے دیوانہ بنا ڈالا

خموشی میری معنی خیز تھی اے آرزو کتنی
کہ جس نے جیسا چاہا ویسا افسانہ بنا ڈالا

(۵۱)

چھیڑا وہ دل لگی میں کہ دل کو دکھا دیا
کی ہم نے دل لگی مگر اوس نے رولا دیا

عادی بنا کے لذت آزار نے مجھے
غم کی خلش کو دل کی تمنا بنا دیا

دیکھے دل شکستہ کو ملت فروش عشق
کعبہ تو ایک کافر بے دین نے ڈھا دیا

جس دم ہوا بدل گئی دنیائے ضبط کی
ایک ایک سانس نے غم دل کا پتا دیا

اب راز دل چھپانا ہے بے سود آرزو

لی مین نے ٹھنڈی سانس تو وہ مسکرا دیا

---

(۵۲)

ملتے ہی نظر دل کا نہ سینے مین پتا تھا
اس سوچ نے دیوانہ بنایا کہ یہ کیا تھا

چونکا تو بنا مورد الزام تغافل
مین آپ ہی گم تھا وہ مجھے ڈھونڈھ رہا تھا

طے کرنے مین طوفان زمانہ دل نالان
اک زور مین بہتے ہوے دریا کی صدا تھا

اس وقت کہ تھی ہوشربا چشم ادب مین
بیٹھا تھا سو بیٹھا تھا کھڑا تھا سو کھڑا تھا

آواز چلی آتی تھی پردہ کے ادھر سے
معلوم نہین یہ وہی بت تھا کہ خدا تھا

وہ جبر کہ جو تھا سبق آموز تحمل
ظاہر مین تو اک درد تھا باطن مین دوا تھا

اے آرزو اس مرتبہ پھر موسم گل مین
لایا ہے وہی رنگ کہ اک زخم ہرا تھا

---

(۵۳)

خود غرض میل پھر بڑھانے لگا	جب ذرا دل کو صبر آنے لگا
دل گیا یون کہ اب نہ آئے گا	خیر بہتر ہوا ٹھکانے لگا
آسرا توڑ کر خجل ہو گے	پھر کوئی ناز کیون اوٹھانے لگا
نیک نکلا مآل جور صنم	کہ اب اللہ یاد آنے لگا

آرزو پھر دیا نظر نے فریب
شوق پھر دل کو گدگدانے لگا

(۵۴)

چپ لگی ہے کیون نہ یہ منھ سے بیان اصلا کیا
جب بہت چھیڑا کسی نے ہاے کا نعرا کیا
تھا ہمین ذکر وفا پر آہ کرنا کیا ضرور
سادگی دیکھو کہ دل کا راز خود افشا کیا
راستی کو کیا وہ جانے جس کے دل مین ہو فریب

بات سیدھی سی بھی سنکر دیر تک سوچا کیا
مر کے حاصل کی تھی ہم نے رنج فرقت سے نجات
پھر تمھین پر جان دینگے تم نے کیون زندا کیا
تھے نظر مین قبل سے پیش آنے والے واقعات
خواب تھا یہ بھی کہ بند آنکھون سے مین دیکھا کیا
سانس سینے مین چلی پھر کند خنجر کی طرح
کیا مسیحائی تھی جس نے کام قاتل کا کیا
منھ سے منھ تمنے ملا کر روح گویا پھونک دی
مرحبا اک ہجر کے مارے کو کیسا زندا کیا
مر رہا تھا جو تڑپ کر جان دی اوس نے تو کیا
اوسکا دل دیکھو کہ جو چپکا کھڑا دیکھا کیا

ہو کے محو دید کھو کے آرزو نے ہوش بھی
کوئی پوچھے تو یہ او دیوانے تو نے کیا کیا

(۵۴)

جاتے ہو تم اگر تو جاؤ دل بھی سنبھل ہی جائے گا
دو گے تسلیاں اگر کچھ نہ قرار آئے گا

پوچھتے ہو تمھیں تو خیر کہتے ہین ماجرائے غم
یہ بھی سنائے رکھتے ہین تم سے سنا نہ جائے گا

صدمۂ بیکسی نہین چھٹنے کا دل کے رنج ہے
یہ نہین پھر کے آنے کا صبر تو آ ہی جائے گا

نشہ کی کوئی بھی حد نشئے کم مری بیخودی سے ہے
نشہ کرے ہزار رسم ہوش کبھی تو آئے گا

روک نہ مجھکو ہمنشین مین ہون کہین تو دل کہین
پھاڑون گا جیب و آستین دامن اگر دبائے گا

رکھتے ہین مثل شمع غم نکلے گا رفتہ رفتہ دم

کھائین گے رنج خاک ہم رنج ہی ہم کو کھائے گا

آرزو آپ عشق سے آئینۂ وفا ہوئے
اوتنا چمکتے جائین گے جتنا کوئی مٹائے گا

(۵۵)

نازپھر لگا دیکھے تیر بے کمان اپنا
طالب دوا ہے زخم بے نشان اپنا

نے نواز رسوائی بن گیا ہے ہر نالہ
خود ہوا ہون مین غمازین کے راز دان اپنا

قابل گلہ خود ہے ادعائے مظلومی
آہ دلخراش اپنی نالۂ جفاستان اپنا

مستقل قدم گر ہین جادۂ تباہی پر
جائین گے وہین ہم بھی مل گیا جہان اپنا

سبزہ سب سے بیگانہ بیوفا ہے بو گل کی
اس چمن مین کیا ٹھہرین کون ہے یہان اپنا

مدت جوانی ہے وصلون کو ناکافی
رات یہ بہت چھوٹی خواب ہے گران اپنا

بند در شکستہ پر اب ہوس یہ کہتی ہے
خود قفس مین آجائے کھینچ کے آشیان اپنا

آرزو جوانی مین بجھ سکے گی کیا توبہ

رائیگاں کرے کیونکر قول خود زباں اپنا

(۵۶)

خموشی ہی شمع پھر کہنے لگی سوز نہاں میرا
زباں پر جب نہ ہو قابو بنے کیوں رازداں میرا

خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید
مجھی پر ختم ہے دنیا میں انداز فغاں میرا

اک آئینہ ہے جسکی پشت ادھر ہے رخ سوئے دنیا
یہی او ترا ہوا چہرہ کہ جو ہے رازداں میرا

اٹھو اے دل کی ہو کون لب تک آئے لفظ بیجا کیوں
اگر ہو اک ناشناس فرد مشتاق بیاں میرا

جہاں میں منظر حسرت ہوں عبرت کا فسانہ ہوں
کیا ہو مٹ کے قائم میری ہستی نے نشاں میرا

بہشت پر کہ جس میں مرغ جاں ناخوش بھی خوش بھی
کبھی تو ہے قفس میرا کبھی ہے آشیاں میرا

یہ نازک ہاتھ لنگر دار تیغ اور سخت جان عاشق
لے لیں بس ہنسے بھی دو تم اور لوگے امتحاں میرا

نوشتہ بخت بد کا بن رہا ہے شکوہ بیجا
بدلتی تیوریاں سب لکھتی جاتی ہیں بیاں میرا

کشش گل سے نہیں کچھ کم چمن کے پتہ پتہ میں
اب ایک اک شاخ پر سو سو جگہ ہے آشیاں میرا

وہاں بیکار نازک وقت قصہ زندگی بھر کا
کہیں گی حال دل کھل کھل کے کب ہچکیاں میرا

اب وس بیگانہ خو کو آرزو اپنا کہون کیونکر
جو کہنے مین نہین میرے وہ دل ہی ہو کہان میرا

(۵۷)

بڑھا کچھ اور بدگوئی سے حسنِ داستان میرا
خدا کی شان ہے اوسبت زبان تیری بیان میرا
جفا سے ہے وفا دست وگریبان دیکھیے کیا ہو
اودھر ہے امتحان اون کا ادھر ہے امتحان میرا
چمن کی شاخ شاخ اک موجۂ بادِ مخالف ہو
کہان تک تنکے چنوائے گا مجھ سے آشیان میرا
اوکھڑ کر سانس کیا ٹھیرے گی طوفانِ حوادث مین
جہازِ عمر کہتا ہے کہ ٹوٹا بادبان میرا
ہوئین بوسیدہ کڑیان عمر کی طولِ اسیری سے

کڑکتا ہے ہر انگڑائی مین ایک اک استخوان میرا
عوض تنکون کے گر بستا کسی غنچہ مین بو بنکر
نگاہ باغبان مین کیون کھٹکتا آشیان میرا
حدین امکان کی جسدن سمجھ لین ہو گیا ظاہر
کہان تک ہے زمین میری کہان تک آسمان میرا
یہ ہے اک آتش سیال غم پانی کی صورت مین
بھڑک اوٹھیگا شعلہ اشک ٹپکیگا جہان میرا
ملی ہے قید بال و پر مین کیا محدود آزادی
کہ یہ اوڑنا قفس خود بن گیا ہے آشیان میرا
وہ دل امڈا وہ ہوک اوٹھی وہ سانس اوکھڑی وہ دم ٹوٹا
وہ گھبرا کر اوٹھا پہلو سے میرے راز دان میرا

سمجھکر کشتنی یون آرزو اس نفس کو مارا
کہ ہے اب خون سے میرے ہی دامن خنجکان میرا

(۵۸)

دورنگی بت ناآشنا نے لوٹ لیا
وفا کا بھیس بنا کر جفا نے لوٹ لیا

چھپی تھی شہد مین تلخی نہان حیات مین ست
دغا دغا کہ فریب وفا نے لوٹ لیا

جو دل خدا کی امانت تھا وہ بھی پاس نہین
دوہائی ہے بت کافر ادا نے لوٹ لیا

کچھ اوسکا پاس کچھ اپنے کیئے کی شرم مین ہم
کہ یہ بھی کہہ نہ سکے دلربا نے لوٹ لیا

قدم قدم پہ ہین ٹولے لگے متاع دل کیلیے
بچا تھا ان سے جو کچھ ادا نے لوٹ لیا

رہین وہ دل کی امنگین نہ وہ شباب کا جوش
عنایت بت صبر آزما نے لوٹ لیا

امید وصل مین جان آرزو گئی آخر
مجھے مری ہوس نا روا نے لوٹ لیا

(۵۹)

جب آپ اپنے کام کے قابل نہین رہا
پھر اور کوئی چیز ہے وہ دل نہین رہا

کانپا جو دست جرم بیکاری کرم کی شان
اب یہ قصور عفو کے قابل نہیں رہا

ہے عارضی جنوں اثر بیخودی شوق
اک پردہ دار لایق محمل نہیں رہا

ہچکی تھی وقت نزع صدائے شکست قید
یعنی وہ بند و بست سلاسل نہیں رہا

کام آگئی تھکے ہوئے بازو کی کپکپی
رکنے سے ہاتھ خنجر قاتل نہیں رہا

سیلاب ہے کہ گریۂ بے اختیار شوق
دم بھر بھی اک مقام پہ ساحل نہیں رہا

افسردہ دل کی مجمع حسرت میں قدر کیا
بجھکر چراغ لایق محفل نہیں رہا

تجھین ہتکڑی میں ہاتھوں کی بیچیاں ہی
دیوانہ اپنے کام سے غافل نہیں رہا

انجام کس سے پائیگا یہ کار بیخودی
جب آرزو نہ جوش بھرا دل نہیں رہا

(۶۰)

یاس رسوائی کہاں تک دل جب اپنا جل گیا
راز غم جسمیں چھپاتے تھے وہ پردا جل گیا

قطرہ ایک اک اشک غم کا آتش سیال تھا
بہ کے جتنی دور آیا اوتنا چہرا جل گیا

سبز قدمی کے اثر کی بیش قدمی دیکھیئے
جسکی شادابی پسند آئی وہ صحرا جل گیا

ساقیا نقصان جان ہے ترا فیض بے حصول
جتنے قطرے مے کے ٹپکے خون اوتنا جل گیا

الاماں اے سوز پنہاں ہوگیا پانی بھی آگ
پھوٹ کر بہنے کا وقت آیا تو چھالا جل گیا

بے اثر کہتے تو ہو گرمئ شوق دید کو
پھر شکایت تم نہ یہ کرنا کہ پردا جل گیا

پہلے تھی فکر آگ حسرت خانۂ دل کی بجھے
اب ہوا اسکی جستجو کیا رہ گیا کیا جل گیا

برق نے کی ہر طرف میرے نشیمن کی تلاش

چار تنکون کی بنا پر باغ سارا جل گیا

ہے نہ خاکستر نہ اصلی حال پر باقی ہے دل
جتنا سوزِ غم سے جل سکتا تھا اُوتنا جل گیا

پلے بند ملت پروانہ ہوا سے برہمن
قابل داد اُسکی ہمت ہے جو زندہ جل گیا

جان ڈالین گے نہ پروانے یہ آنسو شمع کے
ہوگا ان چھینٹون سے اب کیا جلنے والا جل گیا

مُہر اپنے شوق نامہ کی ہے خود گرمیٔ شوق
نام تھا تحریر جس جا کاغذ اوتنا جل گیا

برق حسرت آرزو نخلِ تمنا پر گری
تھی پھیلنے کی خوشی جس کے وہ پودا جل گیا

---

(۶۱)

ناکام شوق رونے پہ مجبور ہوگیا
اک چور دل مین تھا وہی ناسور ہوگیا

بے میکدے مین شوق کے یہ دل کی واردات
شیشہ بھر الٹ کے گرا چور ہوگیا

انجام ضبط گریۂ غم کا نہ پوچھیے
جو دل اک آبلہ تھا وہ ناسور ہوگیا

جب زندگی مین رہ نہ گیا لطف زندگی
انسان جان دینے پہ مجبور ہوگیا

گم گشتگی کو دل کی سمجھتے ہین ہم تو یہ
اک درد سا تھا لائے تھے جو دور ہوگیا

انبوہ درد و غم ہین ابا س وا سکے واسطے
جو ترک اختیار پہ مجبور ہوگیا

ششدر کھڑے تھے سنگدل حسن مین ہزار
پتھر گرا کہ شیشۂ دل چور ہوگیا

ہم سخت سست سنکے بھی چپ بیٹھے ہین کہ خیر
اُنکے مزاج کا یہی دستور ہوگیا

نکلی چراغ دیر مین شمع حرم کی شان
شعلہ بھڑک کے برق سر طور ہوگیا

کچھ انتہا بھی ضبط کی اے شرم اضطراب
اتنا دبا کہ شیشۂ دل چور ہوگیا

جلتا ہے آرزو دل افسردہ رات دن
اندھا چراغ دیدۂ بے نور ہوگیا

———●●●———

(٦٢)

دوست نے دل کو توڑ کر نقش وفا مٹا دیا
سمجھے تھے ہم جسے خلیل کعبہ اُسی نے ڈھا دیا

کیسی جفا کہان کا رحم اُنکو مزہ ہے چھیڑ کا
آپ ہی پونچھے اشک غم آپ ہی پھر رلا دیا

نالے ہین وہ لسان تیغ پھر آہین ہین برچھیان تو ہون
ہم تو خموش بیٹھے تھے آپ نے کیون ستا دیا

خاک یہ میکدہ مین تھی کونسے بادہ خوار کی
ہو گیا سب زمین مین جذب خم بھی اگر لنڈھا دیا

بس یہ ہے اُنکے سامنے ہستی و نیستی مری
جیسے زمین پہ ایک خط کھینچکے پھر مٹا دیا

سمجھا تھا جس شباب نے عشق کو لطف زندگی
عشق نے اُس شباب کو خاک ہی مین ملا دیا

کھا کے جگر پہ تیر ناز پھر نہ تڑپ سکینگے ہم
تو نے تو اضطراب شوق پہلے ہی سے تھکا دیا

تابع شوق بھی ہین ہم اُنکے بھی ہین مزاج دان
سوچ کے خط مین کچھ لکھا آپ ہی پھر مٹا دیا

خون شدہ دل اگر نہین پھر یہ ہے اشک سرخ کیا
اب بھی نہ تم یقین لاؤ آنکھ سے تو دکھا دیا

بزم سے اُسکی آرزو آتے ہو تم جو شاد شاد
مژدہ ہمین بھی دیتے جاؤ دل جو لیا تو کیا دیا

(٦٣)

جس نے برباد کیا گھر ترے دیوانے کا
دل ہے اب چھوٹا سا نقشہ اُسی ویرانے کا

گھر کو تو مجھ سے چھڑاتا ہی چلا ہے جوشِ جنون
پہلے اک دیدے نوشتہ کسی ویرانے کا

گرمیٔ محفلِ حسرت ہے ترا سوختہ جان
کہ زبان شمع کی دل پایا ہے پروانے کا

چرخ پر برق طپان بر میں ہوا بحر میں موج
ہر جگہ نام نیا ہے ترے دیوانے کا

لڑکھڑانا کسی ساقی کا اُٹھا کر شیشہ
چھوٹ پڑنا وہ مرے ہاتھ سے پیمانے کا

مٹ کے ہیں خاک پریشان کی بدولت اب تو
ہر بیابان میں قدم ہے ترے دیوانے کا

اُس سے اسرارِ حقیقت کو نہ پوچھو جس نے
پیر وہ اُٹھتے ہوئے دیکھا ہے صنم خانے کا

اِک نئے نام سے موسوم ہوا صورتِ قیس
جب اُٹھا کوئی بگولہ مرے ویرانے کا

آنکھ پر زاہدِ بے دین کی پڑے جب ہی مزہ
اوڑ کے ٹکڑا کسی پٹکے ہوئے پیمانے کا

زندگی کا ہے مزہ حسن کی جانسوزی میں
شمع گل ہوتے ہی دل بجھ گیا پروانے کا

میں نے پھاڑا جو گریبان تو یہ نکلی آواز
نام فہرست میں لکھ لو نئے دیوانے کا

آرزو اپنی طرح موت سے بدتر جانو

ہو سکے پر سوختہ جلنا کسی پروانے کا

(٦٤)

کثرتِ جلوت سے اک آئینہ خانہ دل ہوا
باہر آتے ہی مرا خلوت نشین محفل ہوا

ٹوٹ کر آئینۂ دل جذب مین کامل ہوا
ریزہ ریزہ چشم حسرت ذرہ ذرہ دل ہوا

ظرف میکش دیکھ کے کیفیت الفت نہ پوچھ
دلمین جتنا درد تھا اوتنا مزہ حاصل ہوا

دوست سے بنتے ہی تیرنگی نفس دشمن سے قریب
نکلے اب آدم کہ شیطان خلد مین داخل ہوا

لذت بیداد اوس محو ادا کے دل سے پوچھ
کھائے جسنے تیر پر تیر اور نہ پھر بسمل ہوا

کیف نامے سے کم نہ تھین کچھ دہر کی دلچسپیان
جسقدر کھلتی گئین آنکھین سوا غافل ہوا

ہو اگر احساس لذت دل مین ہر دنیا کے لطف
باغ بھر کا ایک اس پھل سے مزہ حاصل ہوا

ہاتھ سے ہو دوست کے یا دست دشمن سے ہو موت
کوفت تو یہ ہے کہ اپنا آپ مین قاتل ہوا

کثرت جلوت سے چھلکے کاسہائے چشم شوق
فیض بیحد باعث محرومی سائل ہوا

سکتہ کہتے حال ضبط عشق آنسو گر پڑے
ہائے وہ دعوے کہ بے تردید خود باطل ہوا

ہون ادب آموز بزم خامشی مانند شمع
سختیان جس سے نہ اُٹھین ناز اُٹھا سکتا ہی کب

آپ کٹوا دی زبان جب بات کے قابل ہوا
چوٹین کھاتے کھاتے پتھر ہو گیا جب دل ہوا

کامیابی خود غرض کی آرزو بے فیض ہی
وہ ہوا کیا جو چراغ کشتۂ منزل ہوا

---

(٦٥)

ہم آنکھین کھولے بیٹھے تھے جب سارا عالم سوتا تھا
مانند چراغ اک سوختہ تن گہ ہنستا تھا گہ روتا تھا

وہ جھونکے سرد ہواؤن کے وہ دل کے کنول کا لہرانا
تھین آنکھین بند زمانے کی یہ کِسکو خبر کیا ہوتا ہے

آنکھون سے جو خود ہمنے دیکھا اُسے بے اثری وہ اثر یہ تھا
آتا تھا مژہ تک جو آنسو ساری دنیا کو ڈبوتا تھا

مین خوش ہون ختم مصیبت ہے وہ چونکے ہین اپنی غفلت سے

اب روتے ہین میرے ہنسنے پر یا ہنستے تھے جب مین روتا تھا

اب کیا ہوتا ہو یہ سمجھو اور پھر کیا ہونے والا ہے
اے آرزو اسکو جانے دو کل دنیا مین کیا ہوتا تھا

(٦٦)

گناہ شیب سپرد شباب کیا کرتا
سحر تو ہو چکی تھی عذر خواب کیا کرتا

یہ میری توبہ نتیجہ ہے بخل ساقی کا
ذرا سی پی کے کوئی منہ خراب کیا کرتا

یہی تھی زیست کی لذت یہی تھی عشق کی شان
شکایت تپش و اضطراب کیا کرتا

مجھے مٹا تو دیا قبل عہد پیری کے
سلوک اور دو روزہ شباب کیا کرتا

یہ بحر عشق کا طوفان اور ذرا سا دل
جہاز اولٹ گئے تو کون حباب کیا کرتا

بٹھے سے نہوتے جو غفلت سے کے آرزو پڑے
خدا ہی جانے یہ جوش شباب کیا کرتا

(٦٧)

اشکون سے راز کھلا کیا خون آرزو کا
آنکھون تک آتے آتے رنگ اُڑ گیا لہو کا

آسان تھا نہ کٹنا میری رگ گلو کا
قاتل نے طیش کھایا خنجر نے خون تھوکا

حسرت سرائے دل مین سب انقلاب دیکھے
گاہے چہل پہل تھی گاہے مقام ہو کا

حسن شباب خوبان صورت نمائے جلوہ
جوش بہار گلشن آئینہ رنگ و بو کا

رکنے سے دست وحشت الجھن مین ہے طبیعت
بندش ہے میرے دل کی ٹانکا ہی جو رفو کا

نیرنگی فلک کا آئینہ بنگیا ہے
دیکھے کوئی تغیر عاشق کے رنگ رو کا

غمخوار ہجر نکلے بدنام کرنے والے
ایک ایک اشک حسرت خواہان ہے آبرو کا

گرتے ہی اشک خونین بیدل سے ہو گئے ہم
یہ اور کوئی شے تھی قطرہ نہ تھا لہو کا

شاخین درخت کی ہین بڑھتی ہوئی امنگین
روکے سے کیا رکے گا یہ جوش ہے نمو کا

دامن فلک کا رنگین آنکھین تری شفق گون
دونون پہ مظلمہ ہے اک خون آرزو کا

اے آرزو یہ کیسی دنیا الٹ گئی ہے
وہ دوستون مین اب ہی شیوہ جو تھا عدو کا

(۶۸)

درد دل کا عدم آل ہوا — وصل کا آسرا وصال ہوا
حاصل کار مدعا معلوم — کہ کہا اور دو سوال ہوا
دم درد و الم ہر اک ہمدرد — دور رہکر گواہ حال ہوا
کھلکر اوسارم اوا کھڈال — کس کا کس کا گلا حلال ہوا
آہ وہ درد لادوا دل کا — مرگ اوس روگ کا مآل ہوا
آسرا دل کا وہ کلام اوسکا — کہ ہر اک حوصلہ سوال ہوا
رہگیا وہ دل حواس گم کردہ — اور کارا ہم محال ہوا
وہ ہوا دور دور کاسہ دل — رگ گل کا لہو وہ لال ہوا

مدعا دل کا آؤ کہو مراد
کہ وہ اور سامع سوال ہوا

---

(۶۹)

گریہ غماز تپشہاے نہان اور ہے اب

چشم اس حال پہ کچھ اشک فشان اور ہے اب

کیون نہین بات کے پابند غرض کے بندے

جو زبان اور تھی پہلے وہ زبان اور ہے اب

دیکھین کیا کیا انکرے اونکے تلوّن کا خیال

کل مجھے اور تھی وحشت خفقان اور ہے اب

کام روغن کا کیا اشک کے دو قطرون نے

کچھ ترقی پہ یہان سوز نہان اور ہے اب

چارہ گر فکر دوا چھوڑ کے ہین محو دعا

ہوگیا حال کچھ ایسا کہ گمان اور ہے اب

شک مین ڈالا ہے مری حالت تدریجی نے

نہ زبان اور تھی پہلے نہ بیان اور ہے اب

ہمنوا اس کے جو ہین صورت ناجنس خموش

(۷۰)

کچھ اوس مکین کو نہین ہے مکان کی حاجت
جو ایک ذات ہے دونون جہان کی حاجت

شباب آتے ہی گھائل دلون کو کرنے لگا
وہ تیر ناز ہے جسے تھی کمان کی حاجت

سمجھ رہے ہین نظر باز شان خاموشی
دہن وہ ہون نہین جسکو زبان کی حاجت

سر نیاز ہے منت پذیر داغ جبین
شناخت کے لیے تھی اک نشان کی حاجت

خطا وہ کر کے بنا ہون آپ دار و رسن
جو شوق بام مین ہو نردبان کی حاجت

رکھا ہے بارِ وفا جب کھڑے ہیں جن و ملک
ہوئی ہے خاک کے پتلے کو جان کی حاجت
بنا لیں سوزِ نہاں کو ابھار کر شعلہ
بیانِ حال کو ہے اک زبان کی حاجت

کتابِ غم ترا چہرہ سکوت شرحِ ملال
بس آرزو کہ نہیں ہے بیان کی حاجت

(۱۷)

جب دیکھے وہ مجھ حزیں کی صورت
دیکھے کوئی اس حسین کی صورت
اقرارِ وفا فریب نکلا
ہونے لگی ہاں نہیں کی صورت
حلقہ مری بزم کا ہے بے یار
اک خاتم بے نگین کی صورت
وہ لٹنے لگی جہانِ نظر کی جنبش
دل ہلنے لگا زمین کی صورت

یہ آئینہ اثر ہے تیرا

دیکھ آرزو وحزین کی صورت

(۷۲)

نہ دل ہے اب مرے کہنے مین یار کی صورت
نہ اون پہ بس دل بے اختیار کی صورت

فقط ہے نقش مرے دل پہ یار کی صورت
ہو آئنہ تو دکھائے ہزار کی صورت

جو تھوڑی عمر ملی ہے وہ ہو گی جل کے تمام
جہان مین ہے مری ہستی شرار کی صورت

غم فراق مین بہتر ہے گھر سے در بدری
نظر تو آتی ہے آنکھون کو چار کی صورت

کہے یہ کون کہ سب نے موت انھین سنے مارا ہے
بنائے بیٹھے اپن جو سوگوار کی صورت

ستم شعار کے غصہ کا دیر ہی ہے ثبوت
ڈری ہوئی کسی امیدوار کی صورت

ملی ہے سرحد ملک عدم سے سرحد عشق
یہان ہو سنگ نشان اک مزار کی صورت

ہواے شوق مین ہم ناتوان و پس ماندہ
چلے ہین بیٹھتے اوٹھتے غبار کی صورت

یہ دل ہے جذب تصور سے آئنہ خانہ
کہ ہر طرف نظر آتی ہے یار کی صورت

ہمین کہین دل مردہ کا جب پتہ نہ ملا
بنا کے بیٹھ رہے اک مزار کی صورت

دل اوس صنم کا ہو اصاف آرزو نہ کبھی
اس آئنہ مین رہے ہم غبار کی صورت

(۷۳)

جفا و جور کیون ٹھہرین مری فریاد کے باعث
نہین جب نالہ و فریاد خود بیداد کے باعث

محبت حد سے بڑھکر کام کرتی ہے عداوت کا
ہوئی بدنام شیرین خلق مین فرہاد کے باعث

یہان اظہار رہر ایذا کی ہے شان ایک ہی ورنہ
ہزارون مین سبب لاکھون مین اس فریاد کے باعث

بظاہر بدنصیبون کے ستارے بے حقیقت ہین
مگر نشو و نماے چرخ بے بنیاد کے باعث

زمانہ نے اثر بدلا ہے کیسا عیش رفتہ کا
مصیبت اور بڑھ جاتی ہے جسکی یاد کے باعث

یہی ہین وہ جناب دل جو تنہا چھوڑے جاتے ہین
یہی حضرت ہوئے تھے عشق کی بنیاد کے باعث

روا رکھو خدارا آرزو دل پر نہ جبر اتنا
فلک بدنام عالم مین ہوا بیداد کے باعث

---

(۷۴)

خوشنما دور مستعار ہے آج
کل نہ یہ ہوگی جو بہار ہے آج

دل کہ تھا شیشۂ شراب نشاط
وقف غمہاے روزگار ہے آج

کل یہ آنکھین جھپک چکی ہین ابھی
پھر نظر محو انتظار ہے آج

غفلت روز عیش یہ اندھیر
سارا عالم سیاہ و تار ہے آج

کل کو سو جاے فریب خوردہ نفس
مشتبہ چشم اعتبار ہے آج

آج کا شوق تھا غلط فہمی
کل کا پھر مجکو انتظار ہے آج

کہکے اپنا ہی جی کو خوش کر لین
دل پہ یہ بھی کیا اختیار ہے آج

خاک دامن جھٹکنے والے بتا
کیسی حالت تہ مزار ہے آج

آرزو اب چہل پہل وہ کہان

(۷۵)

لہک اوٹھا وہی سبزے کے رنگ رو کی طرح

چھپا ہوا تھا جو دامان گل مین بو کی طرح

قریب جسکے وہ خنجر کی دھار بن کے رہے

ہر ایک رگ تو نہین ہے رگ گلو کی طرح

نگاہ شوق کو دھوکے مین ڈالنے سے حصول

بدل بدل کے نگاہون کو رنگ رو کی طرح

گنہ کا شوق بڑھاتے ہین ابر کے چھینٹے

یہ توبہ ٹوٹنے والی ہے پھر وضو کی طرح

جواب دینگے ہر الزام کا خموشی سے

ہمین تو بات یہ ٹلنا ہے آبرو کی طرح

روش ہے سبزے کی بیگانہ وار ملنے مین
جو پھول ہو تو بسو دل مین آکے بو کی طرح

جگر سے مٹ تو گئے زخم اے فریب وفا
نشان رہ گئے کچھ بدنما رفو کی طرح

شراب بھی کہین ساقی نہ تا دکھا جائے
نگاہ گرم سے کھولے ہوئے لہو کی طرح

دل شکستہ ہے ساقی یہ جام رستا ہوا
شراب خون نہ ہو خون آرزو کی طرح

(۷۶)

برہمی مین دیکھکر روے بت بے پیر سرخ
خون حسرت نے بنالی وا اِک تصویر سرخ

دور ہے روز قیامت اور قاتل حیلہ ساز
اتنی مدت کیا رہیگا خون دامنگیر سرخ

کس قدر قیدی کا خون گرم ہے آہن گداز
تپتے تپتے ہوتی جاتی ہے سیہ زنجیر سرخ

غصہ بڑھ جانے سے اونکا حسن دونا ہوگیا
اوسپہ میرے خون جانز کا کوئی ہیمتہا

رنگ رخ کرتی ہی خون گرم کی تاثیر سرخ
اس خوشی میں دل سے نکلا ہوکے تیرا تیر سرخ

آرزو قاتل وہی اپنا وہی ہی سوگوار
سبز کاغذ جسکے نامہ کا ہی اور تحریر سرخ

---

(۷۷)

بیٹھے بیٹھے اوسکی باتین یاد آنا خود بخود
دل ہی دلمین سوچنا پھر مسکرانا خود بخود

شغل بیکاری ہے اونکا میری ہستی نیستی
دل لگی سے نام لکھنا پھر مٹانا خود بخود

کیا تدارک اس جنون کا اس مرض کا کیا علاج
دلسے باتین اور بیخود ہوتے جانا خود بخود

ایک شوق دل ادھر لاکھ اندیشے اودھر

سوچکر کچھ خط مین لکھنا پھر مٹانا خود بخود

کیا دکھائے دیکھیے یہ بدشگونی آرزو
ہنستے ہنستے آنکھ مین آنسو بھر آنا خود بخود

---

(۷۸)

م آیا جور کی رسمین ادا ہونے کے بعد — ہوتے ہین عذر غلط فہمی خطا ہونے کے بعد

انہ دے او بیمروت ہملا اٹھنے کے بعد — منھ چھپا لینا ستم ہو سامنا ہونے کے بعد

حیلے بیمار غم نے سب کے پورے کر دیے — زہر کھایا ہی مجبوری دوا ہونے کے بعد

ہی گرویدہ کیا اپنا خوشا لطف ستم — دل ہو پھر طالب اسیری کا رہا ہونے کے بعد

ملے پھر بڑھ گئے ٹوٹا ہوا دل جڑ گیا — اُف یہ ظالم مسکرا دینا خفا ہونے کے بعد

اونکا چھٹنا روح و تن کی کشمکش تھا آرزو
پھر گلے مین ڈالدین بانہین جدا ہونے کے بعد

---

(۷۹)

سب بھول کے فرقت مین ہے اک نام قضا یاد
بڑھ جاتی ہے تکلیف تو آتی ہے دوا یاد
کیا حالت بسمل پہ ہوا انگشت بدندان
اب کاسے کو ہوگا اثر تیر ادا یاد
اپنا جو بنانا ہے تو او دشمن ایمان
اتنا بھی نہ کر ظلم کہ آجائے خدا یاد
تم آج نہین ہوتے ہو دیدار پہ راضی
اور کل جو مجھے وعدۂ فردا نہ رہا یاد
گر وصل مین لذت ہے تو کیا ہجر ہے بے کیف
سبکو مرض عشق کی ہے ایک دوا یاد
تکلیف مین ہے جان سی شے قیمت آرام
جب دم پہ بنی ہو تو نہ کیون آئے قضا یاد

دم آرزو آ اگسا تھا ہونٹون پہ جس سے
اب تک تو ہے اوس درد محبت کا مزا یاد

(۷۹)

گل کو گلشن خار کو صحرا پسند
یہ تو دل ہے جسکو جو آیا پسند

ایسی حسرت ہی سے باز آنا ہی خوب
جو مجھے مرغوب اونکو نا پسند

جان لیگی قدر نعمت کی ہوس
کیونکہ یہ دنیا ہے سب امروا پسند

ناز اپنا بے نیازی میری دیکھ
لے لیا اوسنے سبے جو تھا اپنا پسند

آرزو وہ بات تو ممکن نہین
متفق کر لے جسے دنیا پسند

(۸۰)

یہی ہے بس مرے دل کے بخار کا تعویذ
کہ لا کے باندھ دو بازو سے یار کا تعویذ

غضب کی زلزلہ انگیز خاک دل نکلی | شکستہ ہے کئی جا سے مزار کا تعویذ

جواب نامہ کہ جس مین قسم ہو وعدہ وصل
ہے آرزو و مرضِ انتظار کا تعویذ

(۸۱)

جب صرف ہو یون خوبی تقدیر سے کاغذ
کسطرح نہ لپٹے تری تصویر سے کاغذ

اے کاتب اعمال بہت ہین مرے عصیان
مانگ اور ابھی مالک تقدیر سے کاغذ

مضمون ہے بربادئی وحشت کا جنون خیز
اے نامہ رسان باندھ لے زنجیر سے کاغذ

اس قتل کے پیغام مین کچھ راز ہے شامل
چھوٹے گا نہ بے چاک ہوئے تیر سے کاغذ

دشمن ہے خط شوق کا سوزِ غمِ فرقت
جل اوٹھتا ہے گرم آہ کی تاثیر سے کاغذ

تفصیل سے لکھون جو مین حالاتِ شبِ ہجر
ہوجاے سیہ کثرتِ تحریر سے کاغذ

مین دل سے خیال اوسکا بھلا دون ابھی ناصح
تو پہلے جدا کر کسی تصویر سے کاغذ

فریاد کہان ہے قلم اے آرزو اب تو
ہے تنگ مرے شوق کی تحریر سے کاغذ

(۸۴)

اس بزم سے ہے اپنا یہ دورِ جام آخر
شیشے کی ہچکیان ہین گویا پیام آخر

اے خضر موت ہی ہے انجام زندگی کا
کتنا ہی دن بڑا ہو ہوتی ہے شام آخر

کھوٹا کرو نہ رستہ منزل بہت کڑی ہو
میت پہ میری کبتک یہ اژدہام آخر

محکم ہوئین امیدین کچھ پوچھنا نہین اب
پیغامبر سدہارا دیکر پیام آخر

آنکھون کو دید رخ کا دینا نہ تھا سہارا
ظالم نے نیند میری کر دی حرام آخر

اس قید زندگی کا ضامن فقط نفس ہے
ٹوٹا نظر پڑے گا ہر تار دام آخر

قفل زبان حیا تھی دل تلملا رہا تھا
آہی گیا زبان پر گھبرا کے نام آخر

ہے دور بادہ گویا یہ دور زندگی کا
بد مستیون کے ہاتھون ٹوٹے گا جام آخر

مجنون کی فصد اکدن لیلی کا خون دیگی
پختہ نہو گا کبتک سودا اسے خام آخر

جوش ہوس ہے جسکا بے امتیاز نشہ
وہ زندگی نہو گی کبتک حرام آخر

ناکام سے کہکے توڑین کیون دلکو آرزو ہم
لینا ہے جب اسی سے الفت کا کام آخر

(۸۴)

دل کے بدلے غم بے کیف کرین کیا لیکر
کوئی دیوانہ ہی خوش ہو گا یہ سودا لیکر

چھوٹی امید خدا جانے کہانتک ویڑا ہے
ایسے لاغر کو جو اوٹھتا ہو سہارا لیکر

نہ ٹھہرتا کبھی اس تند ہوا مین یہ چراغ
لی ہوس ترک ترا داغ تمنا لیکر

دا[illegible] وہ کس کا [illegible]
کوئی مرجھایا ہوا پھول کرے کیا لیکر

لے تو لیتے ترے دامن سے گریبان کا عوض
کچھ برابر کے نہ ہو جائین گے بدلا لیکر

راہ اوس کوچہ کی جا بنے چھوڑی جس وقت
چل سکے چار قدم بھی نہ جنازا لیکر

ہم ہین مٹنے کے لئے عشق مٹانے کے لئے
آئے ہین ساتھ ازل سے دل شیدا لیکر

روح نے پیکر خاکی کو یہین چھوڑ دیا
راستہ دور کا کھل جاتا ہے بوجھا لیکر

بحر الفت ہے ادھر ساحل امید اودھر
آرزو پھاند پڑو نام خدا کا لیکر

(۸۴)

جو یہ کہتے ہین لیا اپنی تمنا دیکر
سچ یہ ہے مفت وہ دل لیگئے دھوکا دیکر

پھر نہ کھولے سے کھلیگی یہ گرہ بال کی ہے
دل پھنساؤ نہ مرا زلف مین پھندا دیکر

یہ بھی جینا کوئی جینا ہے مریض غم کا
کہ اٹھاتے ہین بٹھاتے ہین سہارا دیکر

جو لہو کا مرے پیاسا ہو وہ پیارا ہے انھین
حلق پر رکھتے ہین تلوار کو بوسا دیکر

ناتوانی کے سبب پاؤن جو تھراتے تھے
لیچلی دل کی تڑپ مجکو سہارا دیکر

ناگہانی نہ بنا مرگ معین کو مری
تیر مارا ستم ایجاد نے دھوکا دیکر

دفعتاً ترک تعلق مین بھی رسوائی ہے | اُٹھ مجھے دامن کو جھٹراتے نہین جھٹکا دیکر

آرزو بات یہ پردہ کی ہر سننے دیوین
اب نہ کہوا دُکہ دل اُس سنے لیا کیا دیکر

(۸۵)

ختم ہے اپنی مرگ و زلیست طرز نگاہ یار پر
چلتی ہی عاشقون کی ناؤ تیز چھری کی دھار پر
ختم ہے سوز و التہاب آپکے جانثار پر
شمع ہوا سے لڑتی ہے جل کے مرے مزار پر
کثرت داغ غم سے دل غیرت لالہ زار ہے
میری خزان کو دیکھئے آج ہے کس بہار پر
ہونا تھا جو وہ ہو چکا سوچ رہے ہو دل مین کیا
جاؤ بھی اُٹھ کے اپنے گھر بیٹھے ہو کیا مزار پر
دل کے نگاہ ناز سے دل نے مجھے پھنسا دیا

دھوکا نہ کون کھائیگا دوست کے اعتبار پر

کم ہوئین مرکے بھی یہان بادیہ گردیان کہان
صدقے ہزار آندھیان ایک مرے غبار پر

قید قفس مین ہمنفس صورت مرغ تیر ہون
کام کا ایک بھی نہین ہونیکو ہون ہزار پر

رتبۂ جرم عاشقی درجہ بدرجہ کھل گیا
بیٹھا ہے کوئی زیر تیغ کوئی کھنچا ہے دار پر

رشتۂ زیست عشق مین نغمۂ جانگداز ہے
ساز سرود کا گمان اب ہے نفس کے تار پر

تیرے گلے کے باسی ہار دیتے ہین بوسے جانفزا
جن پہ خزان سی آچلی ہین وہی گل بہار پر

روئے یہ گلرخان وہ ہرکس کے شہید ناز کو
پڑ گئی اوس آرزو باغ مین لالہ زار پر

(۸۶)

چلے تیر نظر صدقے کیا دل بانکی چتون پر
بنے جو خود نشانہ خون اوسکا اوسکی گردن پر
لگاوٹ کی نظر کمبخت جو چاہے کھلوالے
وہ اقرار وفا سیتے ہین خنجر رکھ کے گردن پر
تھوا اسنے گریبان گیر وہ اے دیدۂ گریان
مرا خون تمنا بدنما ہے میرے دامن پر
اودھر اسنے نظر پھیری ادھر مین نے گلا کاٹا
خدا جانے ہوا یہ خون ناحق کسکی گردن پر
تعلق ہی تو اپنے دل مین ڈھونڈھو خاک مین کیا ہی
بس اب اٹھو سدھارو جاؤ کیون بیٹھے ہو مدفن پر
دھوان ہوگا کسی پر بستہ بلبل کے جلے دل کا
گئی بادل سے ٹکڑے روز منڈلاتے ہین گلشن پر

نچھوڑا دل نے ضبط اشک مین بھی پھوٹ کر رونا
رشک کے آنسو اِدھر چھالے اُبھر آئے اُدھر تن پر
قفس کی تیلیان کچھ ٹوٹتی ہین جب پھڑکتے ہین
نگاہین تنکے رکھ آتی ہین جا جا کر نشیمن پر
انھین رغبت بھری نظرون کے پھڑکائے ہوئے ہین
کہ آرائش تو اپنی بار احسان میری گردن پر

تعلق آرزو اس خود غرض دنیا سے جبتک ہے
سہارا دوست کا یہ چھوڑ و بھروسہ رکھو دشمن پر

(۸۷) ذوق زمین

داغ سوزان کی خزان تک مین ہے تاثیر بہار
شمع گل ہولے تو دکھلا دون مین تصویر بہار
خونفشانی سے اب آنکھون کی ٹپکتا ہے یہی
دل مین پیوستہ ہے کانٹے کی طرح تیر بہار

صفحۂ صحن چمن پر ہے قلمکاریٔ نو
چاک دامن کی خبر دیتی ہے تحریر بہار
پھر ہے فصل بہار آتے ہی کا کل کا بناؤ
ہاتھ مین پاؤن کے بدلے ہے یہ زنجیر بہار
اہل جوہر کی ہے دنیا مین حسینون کو بھی قدر
دل کا آئینہ طلب کرتی ہے تصویر بہار
جب کلی کوئی چٹکتی ہے دھڑک جاتا ہے دل
ناموافق ہو نہ بلبل کے یہ تقریر بہار
آئے ہین اپنی خزان سب کو دکھانے کے لئے
دل پہ لالے کی طرح کھائے ہوئے تیر بہار
فصل گل آتے ہی پیچیدہ ہوئی موج ہوا
چونکو دیوانو کہ جنبش مین ہے زنجیر بہار
خشک تنکے بھی نشیمن کے ہرے ہونے لگے

گھر تک آئی ہے مرے ملنے کو تاثیر بہار

اشتیاق اوسکی جوانی کا بھی ہے طرفہ جنون
ہوش لیجائیگی پہلے ہی یہ تاخیر بہار

آرزو عہد جوانی مین ہے پژمردہ دلی
موسم گل مین یہ بیرنگی تاثیر بہار

(۸۸)

جنون فزا ہے یہ انداز دلربائے بہار
کہ ہوش اوڑائے لیے جاتی ہو ہوائے بہار

نہ جائیگی کبھی پژمردہ خاطری اپنی
یہ وہ چمن ہی نہین ہو کہ جس مین آئی بہار

قلم ہو شاخ تمنا تو اور رہو سرسبز
جو انتہائے خزان ہو وہ ابتدائے بہار

وہ شاخ پھٹ پڑے کیون جو بار ور ہو سوا
کہ ابتدائے خزان ہو یہ انتہائے بہار

ہزار مرتبہ نرگس بنے ہین دیدۂ شوق
مری نگاہ ہے مدت سے آشنائے بہار

خلش سے دل کی مرے ہو رہے ہین داغ جگر
یہ ایک خار چمن ہو جنون فزائے بہار

یہ جوش خندۂ گل رنگ لانے والا ہی
ہوئی ہے چاک گریبان سے ابتدائے بہار

قفس میں بلبل تصویر آرزو ہم ہیں
وہ دن گئے کہ جو کہتے تھے ہائے ہائے بہار

(۸۹)

دل فقط کارگہ دہر میں تھا کام کی چیز
پہلے ہی گم وہ ہوئی تھی جو آرام کی چیز

نیش زنبور ہے مجھ خوگر آزار کا دل
آپ کے کام نہ آئیگی مرے کام کی چیز

دینگے سو بار بُرا کہکے بھی واپس وہ دل
کبھی کھلتی نہیں لیتے ہوے بے دام کی چیز

دل تمہارا تھا تمہیں دیکے سبکبار ہوئے
ایسے نادان نہیں سمجھتے جو ہم الزام کی چیز

آرزو خون تمنا سے ہے اونکی یہ غرض
رہنے پائے نہ زمانے میں مرے نام کی چیز

(۹۰)

ہے ضبط جگر سوز تو فریاد اثر سوز
ہر طرح ہے جلنا کہ ادھر ساز ادھر سوز

اوس شعلۂ رخ کی ہی مرے شوق میں گرمی
قسمت سے ملی حسرت پروانہ بھی پر سوز

عاشق کے سر اب کسلیے جل مرنے کا الزام
اندھا تو بنا دیتا ہے خود حسن نظر سوز

تریاق بھی ہے زہر کہ تقدیر ہے الٹی | ٹھنڈی بھی ہر اک سانس ہے عاشق جگر سوز

ہیزم کی طرح تو نے جلا ڈالی ہے رگ رگ
دل آرزو و غمزدہ کا ہے کہ اگر سوز

(۹۱)

ناز و انداز و ادا کیا کچھ نہین قاتل کے پاس
اور فقط ہمت ہی ہمت نیمجان بسمل کے پاس

دلفریبی ان نگاہون کی ہے مطلب آشنا
اب یہ کیون اتنی عنایت کیا ہے مجھ بیدل کے پاس

خاک کے پردے مین سرگردان ہے کس وحشی کی روح
اک بگولا آتے آتے تھم گیا محمل کے پاس

ایک سے ہے خنجر کا مار ارشک کے مارے ہزار
سیکڑون کشتے تڑپتے ہین ترے بسمل کے پاس

بند کین آنکھین تو پایا تجھکو او پردہ نشین

وسعت حد نظر سے دور لیکن دل کے پاس

خم ہوئی گردن تو ماتھے کی شکن جاتی رہی
سر بکف مین ہون تو اب خنجر نہین قاتل کے پاس

آرزو حرمان و حسرت رنج و غم امید و بیم
کچھ نہونے پر بھی اتنا کچھ ہی مجھ بیدل کے پاس

(۹۲)

تاکید ہے کہ جا ابھی اوس بیخبر کے پاس
پیغامبر روانہ کیا نامہ بر کے پاس

اک رات کی بہار تھی پردہ فریب کا
پروانہ ایک بھی نہین شمع سحر کے پاس

اس بے بسی کی آس پہ قربان جائیے
ہمتو کھڑے ہین دو نگاہین ہین در کے پاس

دو چار قطرے پانی کے اور وہ بھی گرم گرم
اے تشنہ کام دیدہ ہے چشم تر کے پاس

بس جاؤ جاؤ جھوٹی تسلی سے فائدہ
کیا اور دُکھ بڑھاؤگے دم بھر ٹھہر کے پاس

ایسی اندھیری رات کے صدقے ہزار چاند
شرمانے والا جبین سرک آئے ڈر کے پاس

ساز خوشی مین شام کی ہی شان صبح غم
تارون کے پاس اشک ادا سی قمر کے پاس

ریزش اب اوسکی دیکھ لو آنکھون سے آرزو
ناسور تھا جو سینے مین داغ جگر کے پاس

(۹۴)

کچھ تو کہدو کہ ہوا ارمان بھرا دل خاموش
بے سہارے کبھی ہوتا نہین سائل خاموش

خود گمی اپنی بتاتی ہے رہ عشق کی حد
صورتِ سنگ نشان ہون سرِ منزل خاموش

ہے تمناؤن مین افسردگیٔ دل سے سکوت
کون بولے جو ہو خود صاحبِ محفل خاموش

شمع تصویر ہے سوز غم پنہان کے سبب
نہ ہلاتا ہے زبان اپنی ہے یہ دل خاموش

آگے اب آرزوے ہم سخنی کی تقدیر
چل کے بیٹھینگے کسی بت کے مقابل خاموش

سمجھی جائے ترے مجنون کی فغان سے تاثیر
اسطرح بیٹھ نہ او صاحب محمل خاموش

راہ گمکردۂ الفت ہون بجھے دل کے سبب
پہلے ہی سے ہے چراغ رہ منزل خاموش

ہر نفس مین ہی یہان نالہ کشی صوت نے
دم نکل جائے تو ہو آپکا بیدل خاموش

شمع سوزان ہون مین تنبیہ سی ٹرہ جائیگی کد
کب زبان کاٹ کے کر سکتا ہے قاتل خاموش

تیرے نالون سے غم قیس کی بو آتی ہے
پردہ کھلتا ہے بس اے صاحب محمل خاموش

آرزو اشک تھمینگے تو رکیگی ہچکی
جرس قافلہ ہوگا سر منزل خاموش

(۹۴)

مرض کچھ اور نہ بڑھاتی ہی چارہ گر کی تلاش
نباہ کرتی ہی فریاد کو اثر کی تلاش

نہ تھا یہ گوشہ نشینان شوق کو معلوم
کہ لیکے جائیگی ہر در پہ ایک در کی تلاش

چھپی پڑی تھین تمنائین دل کے پردے مین
کہان پہونچ گئی اُف ری تری نظر کی تلاش

نگہ کا تیر نشانے سے اپنے واقف ہے
نہ سب لون کا تجسّس نہ ہر جگر کی تلاش

ہے اب خزانہ امید کی کلید یہی
پیام سے ہے زیادہ پیامبر کی تلاش

ملیگا حشر مین سارا زمانہ ایک جگہ
نہ ایک روز کی کوشش نہ عمر بھر کی تلاش

زمانہ جانتا تھا آرزو کو بادیہ گرد
یہ اب کھلا کہ وہ تھی ایک رہگزر کی تلاش

(۹۵)

دوا ایذاؤن کی بانی ٹھہری دہر مین ایک آرام کی حرص

شوق چمن توڑ دے بازو جیسے اسیر دام کی حرص

دور کرو غفلت کے پردے دیکھ کے اہل شام کی حرص

دین کی دولت کھو دیتی ہے دنیا کے انعام کی حرص

عشق کا پہلا زینہ بھی طے ہوتا ہے جانکاہی سے

کھینچ کے لائی دار پہ مجھکو آخر تیرے بام کی حرص

زیست سے دل آسودہ ہو کر پھنسنے چلا ہے گیسو مین

ایک ہی یہ طائر ہے جسے دانے کے عوض ہو دام کی حرص

کیف مروت سے خالی ہے آنکھ رسیلی ساقی کی

زہر کا ساغر پلوا دے گی دیکھنا ایسے جام کی حرص

عشق سے خود ہی ہاتھ اٹھایا کہکے گناہ بے لذت

کی تھی خدارا کیون لوگون نے آخر مجھ بدنام کی حرص

دنیا جسکو کہتے ہین وہ کانٹون کا اک جنگل ہے

آرزو ایسی خار جگہ مین کرتے ہو آرام کی حرص

(۹۶)

جب یہ ہے معلوم پوری ہو نہین سکتی غرض
راز تم پر کھولدے اپنا کسے ایسی غرض

جسکے کام آجائے اپنی زندگی بیجا نہین
دوست کی کچھ ہو ضرورت یا ہو دشمن کی غرض

دلربائی ہوچکی اب کام دلداری سے کیا
وہ تو تھی اپنی ضرورت یہ تو ہے میری غرض

پوچھکر دینا تھی ذلت قول تو دینا نہ تھا
کچھ غرض کہدے کوئی اپنی فقط یہ تھی غرض

قول لیکر آرزو وسنے کیا قطع سخن
بات آدھی بھی سنے کیون ہوچکی پوری غرض

(۹۷)

اُف رے بیدید پڑھ کے سارا خط | کہدیا یہ نہین ہمارا خط

اوسنے لینے سے جب کیا انکار ۔ لا کے قاصد نے منہ پہ مارا خط
داغ آنسو کا مہر نام کی ہے ۔ کسطرح چھپ سکے ہمارا خط
جسمین وہ راز دل کرین تحریر ۔ کسطرح چاک ہو وہ پیارا خط
اتنی دیر اشک خون بہائے چشم ۔ لکھ سے آج ایک غم کا مارا خط

آرزو راستے سے گم ہو نہ کیون
اونکو بھیجا ہوا تمھارا خط

(۹۸)

کہکے وہ بت چلا خدا حافظ ۔ لو بس اب جان کا خدا حافظ
اوس ستمگار کا مبارک ساتھ ۔ دل درد آشنا خدا حافظ
دل کا حافظ مگر خدا ہی ہے ۔ منہ سے تو کہدیا خدا حافظ
زندگی کو بنا کے موت چلا ۔ خیر او بیوفا خدا حافظ

آرزو جب بغل مین بیٹھے تھے وہ
دل کا اسوقت تھا خدا حافظ

(۹۹)

اس جہان سے ہو جنون عشق کی دنیا وسیع
جسقدر بڑھتے گئے ہوتا گیا صحرا وسیع

کام کیا اوس سے کسی کو ہے اگر دنیا وسیع
دے جگہ دشمن کو بھی دل چاہیئے اتنا وسیع

ہمت کوتاہ سے دل تنگ زندان بن گیا
ورنہ تھا گھر سے سوا اس گھر کا ہر گوشا وسیع

چھوڑ دو دو گز زمین ہے دفن جس مین اک غریب
ہے تری مشق خرام ناز کو دنیا وسیع

ہے یہ سب قسمت کی کوتاہی وگرنہ آرزو
بڑھ کے دامانِ طلب سے ہاتھ ہوا اُسکا وسیع

(۱۰۰)

دل سے ہے ہر شوق جوش افزا شروع ۔ ہین اسی چشمے سے کل دریا شروع

جادہ و منزل جہان دونون ہین ایک | اوس جگہ سے ہے مرا صحرا شروع
کس سے سیکھین صبر سوز ہجر مین | شمع نے تو کر دیا رونا شروع
وقت تھوڑا اور یہ بھی سے نہین | کس جگہ سے کیجئے قصا شروع

دیکھا لیجائی نگاہون کا مآل
آرزو لو ہو گیا پڑنا شروع

(۱۰۱)

ہے چشم اشک ریز کا اک بے بقا چراغ
تا صبح کیا ٹکیگا یہ رستا ہوا چراغ
اک آہ سرد کھینچتے ہی دل بجھ کے رہگیا
جھونکا لگا ہوا کا کہ رخصت ہوا چراغ
میرے سیاہ خانے مین آتے ہی گم ہوئے
دونون کا ایک حال ہے کیا شمع کیا چراغ
اندھیر کر دیا ترے داغ فراق نے

دن سب جگہ ہے اور یہان جل گیا چراغ

اب نور چشم شوق ستارہ سحر کا ہے
سمجھو نہ آرزو اسے اُمید کا چراغ

(۱۰۲)

نہین ہے جو درد محبت سے واقف
وہ دل کیا ہے جینے کی لذت سے واقف

کرے التجا تجھسے کیا بیمروت
طبیعت سے آگاہ عادت سے واقف

نہین تو یہ حالت ہی کا ہیکو ہوتی
ارے تم کہان میری حالت سے واقف

اوٹھا میٹھا میٹھا سا اک درد دل مین
ہوئے آج ہم تازہ لذت سے واقف

زبان لال رکھتے ہین مانند شعلہ
جو ہین آرزو راز الفت سے واقف

(۱۰۳)

گو جذب حسن مین نہین کچھ بھی اثر کا فرق
قائم کریگا شوق کے درجے نظر کا فرق

نالے ہمارے پہونچے اونکے نہ تہ فلک
پھر دونون ایک تھے جو نہوتا اثر کا فرق

کی توڑ میں کمی ترے پیکان ناز نے
ایسا تو کچھ زیادہ نہ تھا دل جگر کا فرق

لیل و نہار عشق دکھانے میں ایک ہیں
وہ زلف و رخ کہ جن میں ہی شام و سحر کا فرق

منزل ہی ایک سالک و مجذوب عشق کی
دھوکا نظر کو دیتا ہی راہ سفر کا فرق

کوتاہی دعا جو نہ وا ہو در قبول
ہمت تو کہہ رہی ہی کہ ہی ہاتھ بھر کا فرق

جلوہ وہی تھا سارے حسینوں میں آرزو
سمجھا نہ ایک چاہنے والی نظر کا فرق

(۱۰۴)

ہے خوشی بھی کبھی یہ غم کب تک
تم سلامت مدام ہم کب تک

دیکھیں اسے نالہائے درد آگیں
چپکا رہتا ہے وہ صنم کب تک

سوز دل سے لگی ہے لولے شمع
ورنہ تو کب تک اور ہم کب تک

داد چپ کی تو آج تک نہ ملی
نامرادی میں ضبط غم کب تک

ہے اک آئینہ انقلاب کا حال
جام تا چند اور جم کب تک

ساقیا دور یہ غنیمت جان
پھر خدا جانے ہوں ہم کب تک

ہے یہ دنیا امید پر قائم
آرزو وحشت ستم کب تک

(۱۰۵)

کہی پر کچھ ہے سوز بے اثر تک
چراغ صبح ہے شمع سحر تک

نہ اون مژگان کی کوتاہی یہ جانا
اوتر جاتی ہین یہ پھانسین جگر تک

ابھی اتنی کہان ہین دل کی ہوکین
کہ پہونچا آئین نالون کو اثر تک

وہ سناٹا ہے میرے غمکدے مین
جہان خاموش ہے شمع سحر تک

وہان مین کسطرح پہونچون خدایا
جہان جاتی نہین میری خبر تک

اب اشکون کی جگہ چنگاریان ہین
جگر کی آگ پہونچی چشم تر تک

سیہ خانے مین برسون آرزو کی
ہوسے ظاہر نہ آثار سحر تک

(۱۰۶)

تاکید ضبط آہ ہے غم کی جلاکے آگ
دروازہ بند کرتے ہو گھر مین لگاکے آگ

سرخی گلون کی دیدۂ تر مین ہی آجتک
رخصت ہوئی بہار چمن بھی لگا کے آگ

گرمی خود اپنے شوق مین پیدا کرینگے ہم
موسے نہین کہ طور سے لے آؤن جا کے آگ

مارا جلا جلا کے تو روتے ہو کس لیے
پانی کو دوڑتے ہین فریبی لگا کے آگ

نالے وہ گرم جو دل سوزان کے تھے شرار
آخر کو سرد ہو گئے خود بھی جلا کے آگ

رکنے سے قطرے اشک کے چنگاریان بنے
سینے مین ضبط اشک نے بھر دی اوٹھا کے آگ

اب دل اومنڈ رہا ہے تو آنسو کوئی نہین
سوکھا ہے خود بھی آنکھون کا پانی لگا کے آگ

بجلی سی دوڑنے لگی رگ رگ مین آرزو
اشکون نے اور آگ لگا دی بجھا کے آگ

(۱۰۷)

ہم سے پوچھے کوئی اوس بیداد گر قاتل کا حال
میان مین جو رکھ لے خنجر پونچھ کر بسمل کا حال

جسکا شیوہ دوست بنکر پونچھ لینا دل کا حال
بے گلا کٹوائے جانے کون اوس قاتل کا حال

واقعات زندگانی کیا کہون اے اہل حشر
اک تھکا ماندا مسافر اور کُل منزل کا حال

برق جب تڑپی فلک پر دلمین بھی اوٹھی چمک
ایک بسمل جانتا ہے دوسرے بسمل کا حال

ڈوبنا بحر وفا مین پہلے ہی سے طے ہو چکا
ابتو جو دہارے کی حالت ہو وہی ساحل کا حال

جان چھوٹی قید سے ٹوٹا عناصر کا طلسم
کہہ نہین سکتے مگر آسانی مشکل کا حال

ہو کا عالم دشت مین پردہ کو جنبش دمبدم
رازدان جو ہو وہ جانے صاحب محمل کا حال

سرخ ہو ہو کر بنین آنکھین حباب بحر خون
رفتہ رفتہ کھلتے کھلتے کھلگیا قاتل کا حال

جو گیا بت بنگیا وہ جو اوٹھا خاموش اوٹھا

ہے معمہ کونسا اللہ اوس محمل کا حال

بڑھتی جاتی ہین جو راہ شوق مین دلچسپیان

بھولتے جاتے ہین ہر منزل پہ ہر منزل کا حال

جان سے مارا تھا جسکی غفلتون نے آرزو

حشر مین چونکے تو پھر پوچھا اُسی قاتل کا حال

(۱۰۸)

جنھین سمجھتے تھے دیدار یار کے قابل
وہ آنکھین ہوگئین اب انتظار کے قابل

فلک نے کی ہے ستارون سے آتش افشانی
جگر کے داغ نہین ہین شمار کے قابل

مجھی سے عہد قسم کھاکے میرے ہی کی
کرو وہ بات جو ہو اعتبار کے قابل

فلک نے پہیلے ہے تا زیست اے زمین لحد
یہ ہڈیان نہین میری فشار کے قابل

صبا چمن سے اب اوس مرده دل کو کیا مطلب
جگہ جو ڈھونڈ رہا ہو مزار کے قابل

دل ستم زده مین غم نے بوئی ہین خلشین
یہ سرزمین تو نہ تھی خار زار کے قابل

جمال تو نے دکھاکر بگاڑ دی عادت
یہ آنکھین اب نہ رہین انتظار کے قابل

خموش آرزو اولٹی سمجھ ہے دنیا کی
بنا نہ دے کہین حق بات دار کے قابل

(۱۰۹)

یعنی کبھی یون ہی شاد تھے ہم
اب تک جیئے کیا اسی لیئے ہم

جب کوئی ہنسا تو رو دیئے ہم
لینے کو وہ آئے تو چلے ہم

اللہ نہ دی اجازت اتنی
کہتے اک بات آپ سے ہم

اے مردہ ولی بتا دے تو ہی
جیتے کس دن جہان سے تھے ہم

کہتا ہے یہ مٹ کے نقش حسرت
پیدا ہوئے تھے اسی لیئے ہم

جلتے ہین جلانے والے خود بھی
سنتے ہین زبان شمع سے ہم

دیکھینگے نہ مڑ کے جانیوالے
کس سے یہ کہین کہ لو چلے ہم

نام اپنا بتا کے آرزو آج
کہنا جو کچھ تھا کہہ گئے ہم

(۱۱۰)

آتش غم سے بنکے زبان بھی شعلۂ بے آواز تھے ہم
خاموشی مین شادی ہستی کیونکہ سراپا راز تھے ہم
تھے تو ہین ہم غیر نہ تھا جس شان سے تھی جس حال سے تھے
گوہر تاج ناز تھے ہم یا خاک جبین نیاز تھے ہم
نغمۂ جانفرسا تھے جو نالے اونکا اثر کچھ بھی نہ ہوا
ایک حسین کی بزم طرب مین کوئی شکستہ ساز تھے ہم
دیدۂ کم سے دیکھ نہ خود مین جیسا زمانہ ویسی بات
خوئے نیاز تو اب ڈالی ہے ورنہ سراپا ناز تھے ہم
ساز فغان کے ہر پردہ سے اپنا ہی نغمہ پیدا تھا
کثرت درد و غم سے جہان مین گونجی ہوئی آواز تھے ہم
ذوق فنا مین پیرو شبنم شوق بقا مین رنگ حنا
اپنی ہوا مین قید خودی سے طایر بے پرواز تھے ہم
کم تھی نہ ہرگز جنبش لب سے آرزو اپنی ہم جبین

سکنے سے حال ورد محبت ضبط مین بھی کب باز تھے ہم

(۱۱۱)

پھیر تو لینگے چھری بھی زہر بھی کھائین گے ہم

یون نہ موت آئی تو پھر بے موت مر جائینگے ہم

شکل آنکھون مین پھر گی جسکو یاد آئین گے ہم

یہ نشان رہجائیگا باقی جو مٹ جائین گے ہم

شعلہ اوسکا دور جاتا ہی یہہ دل کی لگی

چین تمکو بھی نہ آئے گا جو گھبرائینگے ہم

داغ اک سینہ مین ہی اب دلکی جا یادش بخیر

ساتھ کیا لائے تھے کیا دنیا سے لیجائینگے ہم

زندگی بھر کا ہی مسکن ہو گا مدفن بعد مرگ

بیٹھ کر کوچہ مین اوسکے پاؤن پھیلائینگے ہم

وقت رخصت ایک سے دو کام ہونے لگے کسطرح

اونکو ز د گینگے کہ اپنے دل کو سمجھا ئینگے ہم

ہے زمانہ مین جوانی تک بہار زندگی

اس سراسے رات ہی کو کوچ کر جائینگے ہم

المدد اے جذب الفت امتحان کا وقت ہے

قول ہے اک جانے والے کا نہ اب آئینگے ہم

صبح محشر سے ملا دے آج کی شب یا خدا

اونکو یہ ضد ہے سویرے اوٹھ کے گھر جائینگے ہم

پائی ہے باغ جہان مین ہم نے گل کی زندگی

رنگ بنکر آئے تھے بو بنکے اوڑ جائینگے ہم

ہین یہان پریان وہان حورونسے ہوگا سابقہ
آرزو اپنی جوانی ساتھ لیجائینگے ہم

(۱۱۲)

نادم ہون کھا کے ترک پہ قرآن کی قسم | کہتے ہین وہ کہ پی لے مری جان کی قسم

اوس بت سے ترک عہد بھی تو کفر ہو گیا — کھا بیٹھا اضطراب مین ایمان کی قسم

عہد وفا کو جان چکا آرزو قسم
اور پھر قسم بھی کسکی مسلمان کی قسم

(۱۱۴)

زندہ دلی سے اپنی جو غم مین مبتلا ہین — اون عاشقونکی باتین معشوق سی سوا ہین

ناکامیان ہین حاصل دونون طرف سے ہمکو — معشوق کی وفا ہین عاشق کا مدعا ہین

ہستی وہی ہماری جو ہی عدم سے بدتر — جسکو ہو نا اُمیدی وہ دل کا مدعا ہین

ملک وفا مین اپنا پرسان نہین ہی کوئی — نا آشنا جو بت ہی ایک اوس سے آشنا ہین

مژگان کی یاد بھی ہی آلا ہی زخم دل بھی — کانٹونپہ ہمکو چلنا اور پھر برہنہ پا ہین

دوری کا اوسکے دفتر لکھا ہی مینے جتنا — جملے الگ الگ ہین لفظین جدا جدا ہین

ہر طرح عشق مین ہین تصویر درد و غم کی — شکوون کی ہم زبان ہین نالونکی ہم صدا ہین

بے حال زار اپنا تسکین دہ غریبان — جس درد سے بھرے ہین وہ دردوکی دوا ہین

پستی ہو یا بلندی اک سد کی ہی مٹے پر — خاک گلہ کبھی ہین گہ نقش کفش پا ہین

ہین اک زبانِ عبرت ہم بزمِ عاشقی مین — جتنے گزر چکے ہین اون سب کا ماجرا ہین

پنہان ہو یا عیان ہو ہم باغ دوستی مین — رنگون مین رنگ الفت بو مین گل وفا ہین

فرہاد و قیس و وامق گزرے ہین جتنے عاشق — جسکی وہ ابتدا تھے اوسکی ہم انتہا ہین

ہون آرزو ازل سے فرقت نصیب ایسا
حرف اپنے نام کے بھی جتنے ہین سب جدا ہین

(۱۱۴)

شمع و مشعل تو فقط تا بہ سحر جلتے ہین — دل کو جنکے ہے لگی آٹھ پہر جلتے ہین

سیکھ پروانون سے دلسوزی ہا ہم سے شمع — آگ مین اور کی یہ تفتہ جگر جلتے ہین

ابتلک دل کی لگی تجھسے بجھائی نہ گئی — ہم ترے نام سے اے دیدۂ تر جلتے ہین

جان تن مین ہے کہ طایر قفس سوزان مین — مجھ تک آتے ملک الموت کے پر جلتے ہین

آشیان سے ہے قفس مین بھی تعلق اتنا — دل سے بھی اُٹھتا ہے شعلہ جو شجر جلتے ہین

پاس آمل کے شب ہجر گزارین اے شمع — تو اُودھر جلتی ہے تنہا ہم ادھر جلتے ہین

آرزو آہ جلے دل کی بڑی ہوتی ہے
اِک پتنگا جو اُڑے سیکڑون گھر جلتے ہین

(۱۱۵)

آنے سے جسکے ہم خوش تھے یون وہ گیا ہی کہ آس نہین
اب پائین تو روئین ملکر ہنسنا ہمکو راس نہین

جنکا نہو دلسوز کوئی کم ہون گے ایسے سوختہ تن
شمع فسردہ ہون مین بیکس پروانے بھی پاس نہین

پھیکے دل سے ملنے والے مفت کا احسان رکھتے ہین
ہین یہ حسین وہ پھول کہ جنمین رنگ تو ہے بو باس نہین

چوٹون پہ چوٹین کھاتے دل بھی تڑپنا بھول گیا
درد تو ہے ویسا ہی ابتک ہان یہ کہو احساس نہین

ایک طرف دریاے محبت ایک طرف صحرائے وفا
کون دو راہے مین رہبر ہو خضر نہین الیاس نہین

وید کے جام مین بھی اسے موسیٰ کانٹے کا اندیشہ ہے

کہتی ہے محرومیٔ قسمت نہ بجھنے والی پیاس نہین

ملنے کی اوس عہد شکن کے آرزو اب امید کسے

گذرا ایک زمانہ کہ دلمین ٹوٹی ہوئی بھی آس نہین

(۱۱۶)

جو مری سرگذشت سنتے ہین
سر کو دو دو پہر وہ دھنتے ہین

قیدمین ماجرائے تنہائی
آپ سے کہتے ہین آپ سنتے ہین

آشیان کب تک اور خود کب تک
وہ سڑی ہین جو تنکے چنتے ہین

ہر نفس دے رہا ہے بوئے کباب
دل جگر سوز غم سے بھنتے ہین

آرزو آنکھ سے نہین دیکھا

نام کانون سے اونکا سنتے ہین

(۱۱۷)

پردہ کی خیریت نہین اس چھیڑ چھاڑ مین
یہ شوخیان ستم ہیں کھڑے ہو کے آڑ مین

نیچی نظر نے پست کیا جوش انتقام
کیونکر ابھر سکیں کہ دبے ہیں پہاڑ میں

زندان سے کم نہ تھا ترے وحشی کو دشت بھی
ملتے ہیں ٹکڑوں کے نشان ہر بہار میں

اے سوز عشق جلنے سلگنے کی حد بھی کچھ
دل اس سے کاش جھونک دیا جا کے بھاڑ میں

آنسو ہنسی ہنسی میں نکل آئے آرزو
چھالے کچھ آج پھوٹ گئے چھیڑ چھاڑ میں

(۱۱۸)

کٹتی ہیں مزیسے بے ہمدم تنہائی فرقت کی راتیں
چپ بیٹھ کے یاد آجاتی ہیں اگلی پچھلی ساری باتیں

انداز ادا میں ہو جب تک آفت یہ ہے آفت زیر فلک
چلتی ہیں برابر سے چوٹیں ہوتی ہیں برابر کی گھاتیں

دانہ بھی زمین سے گر نہ اُگا قحط غم دل ممکن نہ ہوا
جھڑیاں نہ مرے اشکوں کی ہمیں خالی گئیں کتنی برساتیں

فرہاد کی ہستی ہی کیا تھی شیریں نے ادا کی رسم وفا

ہین عشق و محبت مین یکسان نیچی تو مین اونچی ذاتین

ہے شاد محبت مین کوئی شاکی غم الفت مین کوئی

سچ جانیے کسکو جھوٹ کسے جتنے منھ ہین اوتنی باتین

کھٹکا ہے نہ اون کے جانے کا ڈر ہے نہ کسیکے آنے کا

پر لطف شب مہ سے ہین سوا برسات کی یہ کالی راتین

اب کسکو غرض اوٹھکر جو کہے ای آرزو آؤ یہان بیٹھو

دل لیکے نگاہین پھر بھی گئین اگلی سی کہان وہ مداراتین

(۱۱۹)

بات کہنے کی ہو تو کہتے ہین
ورنہ پہرون خموش رہتے ہین

ضبط غم کی بھی کوئی حد آخر
اشک آآکے منھ پہ بہتے ہین

چپ رہا کوئی چیخ اٹھا کوئی
اونمین ہے فرق دکھ جو سہتے ہین

جھوٹے وعدہ کا بھی یقین آجائے
کچھ وہ ان تیورون سے کہتے ہین

اب کہان گھر مین آرزو صاحب

وہ تو کوئے بتاں میں رہتے ہیں

(۱۲۰)

مجھ غمزدہ کے پاس سے سب روکے اُٹھے ہیں
ہاں آپ اِک ایسے ہیں کہ خوش ہوکے اُٹھے ہیں

اس بزم میں کیا آئے چلے کیا یہ نہ پوچھو
کچھ بات ہے ایسی ہی کہ چپ ہوکے اُٹھے ہیں

منہ اُٹھکے تو سب دھوتے ہیں اے دیدۂ خونبار
بستر سے ہم اُٹھے ہیں تو منہ دھوکے اُٹھے ہیں

آنکھ ابر کی ہم چشم ہے دل شعلۂ سرکش
بیٹھے ہیں جہاں شمع صفت روکے اُٹھے ہیں

ہے آرزو آنکھوں کا خمار اور طرح کا
انگڑائیاں کہتی ہیں ابھی سوکے اُٹھے ہیں

(۱۲۱)

کامل ہین وہ ایذا دینے مین پانی سے لگی بھڑکاتے ہین.
جانے کو نہین کہتے منہ سے رو رو کے ہمین سمجھا دی ہین
را ہین جو کڑی ہین الفت کی اب حضرت دل گھبراتے ہین
یا گھیر کے ہمکو لائے تھے یا چھوڑ کے بھاگے جاتے ہین
تدبیر نہین بن پڑتی ہے تقدیر سے منھ کی کھاتے ہین
غم دل کا چھپاتے ہین جتنا اور آنسو نکلے آتے ہین
الفت کو جگہ دل مین دیکے ہم کیا کہین کس آفت مین پھنسے
چین آتا نہین سب حال کہے کہہ چکتے ہین تو پچھتاتے ہین
ان بے اثر آہون سے اپنی کم ہو گی جلن کیا داغون کی
شامت ہے کہ خود انگارونکو ویدے کے ہوا دہکاتے ہین
فرقت مین ہون مردے سے بدتر گر سانس آتی جاتی ہو
کھانے سے انھین مطلب کیا ہے دنیا کی ہوا جو کھاتے ہین
بیمار محبت کا جینا اک یہ بھی کرامت عشق کی ہے

جو سانس نہین لے سکتا ہے برسون اوسنے ندہ پاتے ہین

چھوٹو گے نہ جس سے آرزو اب وس قید ذنجیر مین ہو
پلٹینگے وہ کیا جو کہہ گئے ہین تم ٹھہرو ابھی ہم آتے ہین

(۱۲۳)

جو مٹے رنجش سے ایسی عشق کی ہستی نہین
کچھ بھی کم کردے جسے ترشی وہ مستی نہین

ہوگا اک الزام بیجا کیا کہین کسکو کہین
دل لیا اوسنے خوشی سے کچھ زبردستی نہین

دلمین ہے جلنے کی طاقت شعلے کیونکر ہون فرو
حوصلو مین سربلندی ہے ابھی پستی نہین

ہو نہ قدر عشق مثل حسن یہ ہے اور بات
ورنہ ان دونون مین کوئی جنس بھی سستی نہین

گھا گھمی اسکے سناٹے مین بھی ہے آرزو
دل کا ویرانہ عدم آباد کی بستی نہین

(۱۲۴)

کوشش سب بے سود مین اگلی سی سرگرمی کہان
ہائے دیوانی جوانی اب وہ بے شرمی کہان

صبر ہم سے غیر ممکن رحم اون کے دل سے دور

موم مین سختی کجا فولاد مین نرمی کہان

لاکے مجھکو ہوش مین پوچھو نہ مجھسے میرا حال

جسکا قابو تھا زبان پر اب وہ بیشرمی کہان

ہین وہ تیور ذبح کر ڈالینگے جیسے بے چھری

جی کڑا کرکے چلے ہین دلمین اب نرمی کہان

طول مایوسی نے ہمت پست کردی آرزو
ٹھنڈی سانسین لی ہین برسون دلمین گرمی کہان

(۱۲۴)

پہر بیسے جو اون کے غنچہ و گل بازی نزاکت ہارے ہین

کان آکے صبا نے گرما ے پتون نے طمانچے مارے ہین

ہے بیش و بیس اونمین اتنا ہی جو لطف و ستم کے مارے ہین

کچھ ملک عدم مین جا پہونچے کچھ عاشق گور کنارے ہین

چلتے نہین اوٹھکر ایک قدم پھرتے ہین مگر آنکھون مین صنم

قلب اس سے ہین بیٹھے جا کے قدم ثابت یہ نہو سیارے ہین

اوس گل کے غرور نزاکت سے امید گلے ملنے کی کسے

اوٹھتے نہین کوسنے کو بھی مرے وہ ہاتھ جو پیارے پیارے ہین

دنیا مین ہے حسن جوانی تک ہر چاہنے والیکی چاہت

کہتی ہے یہ صاف اونکی حالت جو پھول گلے سے وارے ہین

بس رحم کر اب اے سوز نہان سینہ ہوا جاتا ہی بریان

اوٹھتا ہے برابر دل سے دھوان اب داغ نہین انگارے ہین

بس آرزو انکو جانید و دیدیکے نہ اب قسمین روکو
ہین اپنی غرض کے حضرت دل یہ دوست مرے نہ تمہارے ہین

(۱۲۵)

آرام کے ساتھی تھے کیا کیا جب وقت پڑا تھا کوئی نہین

سب دوست ہین اپنے مطلب کے دنیا مین کسی کا کوئی نہین

ہو چشم بصیرت تو دیکھے کس گھر مین نہین جلوے اُسکے

ظاہر کے یہ ہین سارے جھگڑے کعبہ نہ کلیسا کوئی نہین

گلگشت مین دامن منھ پہ نہ لو نرگس سے حیا کیا ہے تمکو

اوس آنکھ سے پردہ کرتے ہو جس آنکھ مین پردہ کوئی نہین

عبرت

جو باغ تھا کل پھولون سے بھرا اٹھکھیلیون سے چلتی تھی صبا

اب سنبل و گل کا ذکر تو کیا خاک اوڑتی ہے اور سجا کوئی نہین

آئینہ و ساغر ہیں باہم حیرت مین ہے دل آنکھین پُرنم

یاد آتے ہین اسکندر و جم اب محو تماشا کوئی نہین

ہر ایک نمائش کو دیکھا اک جھونکے مین کچھ بھی تو نہ تھا

ہستی ہے حباب بحر فنا اِس دم کا بھروسا کوئی نہین

بیٹھے ہین کہان اہل مسند آغاز وہ نیک انجام یہ بد

یا بزم طرب یا کنج لحد یا وہ مجمع یا کوئی نہین

کل جنکا اندھیرے سے تھا حذر رہتا تھا چراغان پیش نظر
اک شمع جلاوے تربت پر جز داغ اب اتنا کوئی نہین
جب بند ہوئین آنکھین تو یہ کھلا دو روز کا تھا سارا جھگڑا
تخت اسکا نہ اب ہی تاج اوسکا اسکندر و دارا کوئی نہین
قتالِ جہان معشوق جو تھے سوتے ہین پڑے مرقد او نکے
یا مرنے والے لاکھون تھے یا رونے والا کوئی نہین

اے آرزو اتنا پتا چلتا ہے تری بربادی کا
جس سے نہ بگولے ہون پیدا اسطرح کا صحرا کوئی نہین

(۱۲۶)

اے شوق دید اب تو آنکھین بھی جا رہی ہین
تھک کر چمن مین بلبل جیسے کہ چپ ہوئی ہے
دل کی کشش کو اب بھی گلشن سے ہی تعلق
ہے خواب کے حوالے سب انتظام جلوت

تھین اب وہی شمعین سو جھلملا رہی ہین
کلیان چٹک چٹک کر باتین بنا رہی ہین
کچھ پتیان قفس تک اڑ اوڑ کے آ رہی ہین
چلمن گرا کے پلکین پردہ اوٹھا رہی ہین

مٹی تو آرزو کی برباد ہو چکی ہے
اوٹھ اوٹھ کے آندھیاں پھر کیوں خاک اُڑا رہی ہیں

(۱۲۶)

یہ ہوش کہاں دل کھو بیٹھے کچھ پوچھے کوئی کچھ کہتے ہیں
اک بت سے ہوئی کیا یا واللہ کچھ بھولے ہوئے سے رہتے ہیں
کیا جانے کوئی کیوں روتے ہیں ہم آتا ہے پسینہ کیوں پیہم
ناسور بہت سے ہیں دل میں کچھ رستے ہیں کچھ بہتے ہیں
ہر بات یہ کھنچتا ہے خنجر دیکھا جب ادھر مارا نشتر
سینے میں ہے دل کی جگہ پتھر چپ ٹوٹ یہ جو چوٹیں سہتے ہیں
تم یہ نہ کہو فریاد نہ کر صبر آئے ہمیں آخر کیونکر
ہاں ملتی ہے چپ کی داد اگر تو ہم بھی نہیں کچھ کہتے ہیں
خیر اب تو جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو پہلے یہ خبر کیا تھی ہمکو
کرتے ہیں تمنا وصل کی جو وہ ہجر کا دکھ بھی سہتے ہیں

بادل اُمنڈ آئین جو ضبط کرون بھیگے نہ پلک بھی گر رووَن
کیا آنکھون کا اپنی حال کہون یہ دریا اُلٹے بہتے ہین

اے آرزو یے تفتیدہ جگر میری مین ہے جل بجھنے کا ڈر
وے جنکو تھپیڑے باد سحر وہ چراغ بھی روشن رہتے ہین

(۱۲۸)

ناز و نیاز شاہ و گدا جیتے جی کے ہین
آج اس تباہ خاک مین فرسے سبھی کے ہین

تصویر کامیابیٔ الفت ہو دل کی لاش
کچھ غم کے اشک آنکھ مین ہین کچھ خوشی کے ہین

اون کو فشار دیتی ہے اے قبر کس لیئے
مارے ہوئے جو کشمکش زندگی کے ہین

ہے اوسکی تیغ ناز کا کیا دیرپا اثر
دیکھے کوئی تو کہدے یہ چرکے ابھی کے ہین

جب تک ہی کشاکش امید و بیم سے
لائق نہ رنج کے ہین نہ قابل خوشی کے ہین

پھر بیکسی ہی کاہیکی جب کوئی پاس ہو
کیا سے کہتے ہو گواہ کدھر بیکسی کے ہین

شیرین کی خوابگاہ ہے فرہاد کا مزار
اب مٹ رہی ہین وہ جو گلے زندگی کے ہین

غیرت نے جوش اشک کو روکا ہی آرزو

اب مین سمجھ گیا یہ پسینے اوسی کے ہین

(۱۲۹)

دل جنکا گیا ہے رنج اونھین جو پا گئے ہین خوش ہوتے ہین
یہ اپنی اپنی قسمت ہے وہ ہنستے ہین ہم روتے ہین
ہر چند کئے مر وسے زندا بیمار رہی نام آنکھون کا رہا
ہوتا نہین اونسے علاج اپنا وکھ درد جو سبکا کھوتے ہین
محفل مین ہے مجمع اہل نظر رسوائی الفت کا بھی ہے ڈر
رہتا جو نہین قابو دل پر ہم آنکھ بچا کر روتے ہین
کھو سکتی ہے کیا کوئی غفلت دید رخ جانان کی حسرت
دیکھے کوئی اونکی محویت جو کھول کے آنکھین سوتے ہین
ہو جا ہے کسی کی بربادی چھوٹے گی نہ آرایش اون کی
لڑیان ہین یہان اشکون کی بندہی بالونمین وہ موتی پروتے ہین
الفت مین نظر یہ کسکی لگی حاصل نہ ہوئی پھر سر سبزی

گردون سے گری جنپر بجلی وہ درخت ہرے کب ہوتے ہین

دیکھے ہین جو اون کے لطف وستم پتلے ہین امید وبیم کے ہم

شادی ہی مقدر مین ہی نہ غم نہ ہنسی آتی ہی نہ روتے ہین

اشکون نے جو کی ہی طغیانی غیرت سے ہی دل پانی پانی

دو قطرے یہ ہین وہ طوفانی جو نام وفا کا ڈبوتے ہین

اے آرزوئے وصل جانان بستر پہ اکیلے نیند کہان

کٹ جاتی ہی رات آنکھون مین یہان اور سونیوالے سوتے ہین

الفت مین سلیقہ جو جسکا انجام بگڑنا یا بننا

کچھ اپنے کئے پہ ہنستے ہین کچھ اپنے کئے کو روتے ہین

گر ہے یہی گرمی سوز دلی کیا کشت امید ہری ہو گی

وہ پھل نہین پانے کے کچھ بھی جو بریان دانہ بوتے ہین

پھر کیا تھا جو دل مین خوف نہ تھا عاشق کے خون ناحق کا

کیا شان مین دھبا لگتا تھا دامن سے جو داغ وہ دھوتے ہین

فرقت مین کہان وہ خوش طبعی غم سے ہے طبیعت کھسیانی
رو تونکو ہنسا دیتے تھے کبھی یا آپ ہنسی مین روتے ہین
بس آرزو اب خاموش رہو ہوتی ہی جو کچھ ہیدا ہو
شکوہ نہ کرو منھ سے نہ کہو معشوق بنا ایسے ہی ہوتے ہین

(۱۳۰)

جسکو ہو غم سے بیدلی شکوہ زبان پہ لائے کیون
دل ہی نہین تو کیسا اور واب ہی یہ ہائے ہائے کیون
غم سے حبیب اشنا نہین رحم سے واسطہ نہین
چھیڑنے والے آپ کون پوچھنے حال آئے کیون
ہان وہ ہی یار خود غرض ہان وہ ہے مطلب آشنا
جو ہو بڑا اداشناس پھر وہ فریب کھائے کیون
گریۂ بے سبب مرا فعل جنون سے شک نہین
اپنی خبر تو لیجیئے آپ یہ مسکرائے کیون

آہ سے کوئی فائدہ ضبط سے کوئی مدعا
راز لبوں تک آئے کیوں بات ہو تو چھپائے کیوں
کہنے کی بات ہی نہیں آہ کہیں تو کیا کہیں
لب پہ ہی کس لیے سکوت بیٹھے ہیں سر جھکائے کیوں
تاب وصیت اب نہیں وقت عیادت اب نہیں
بند زبان اگر کھلے کہدوں کہ آپ آئے کیوں
حسن ہے چشم شوق میں رونق شام زندگی
شمع اگر نصیب ہو پھر کوئی دل جلائے کیوں
شمع نہیں کہ جل اٹھے دل نہیں جو پگھل اوٹھے
عشق میں ہر سخن سے ہے راز کھل کے زبان پہ آئے کیوں

ہوتی ہے چھیڑ چھاڑ کی کوئی بنا بھی آرزو
اُسنے تو کی نہیں وفا آپ نے جور اٹھائے کیوں

اب اس گلشن مین اے شبنم نسیم صبحگاہی ہون

تجھے تو رات بھر بسنا ہے مین دم بھر مین راہی ہون

سراپا درد کا سایہ بھی آسیب مصیبت ہے

الگ ہٹ کر چلو مجھسے کہ مین غم کی سیاہی ہون

بنون کس منہ سے مین اے آرزو حقدار رحمت کا

ندامت سے سراپا عذر نا کردہ گناہی ہون

ضرور ہمت اہل جہان سے بدظن ہون

ترے کرم سے فقیر فراخ دامن ہون

جلا سے نہ جلو نگاہ سوختہ تن ہون

نہین مین شمع فسردہ کہ پھر سے روشن ہون

پتہ بتاتی ہے دلبر کا بے دلی میری

میان کوئے وفا نقش پائے رہزن ہون

کسی کا دست ستم تھا کسی کی برق نگاہ

جسے سبھی نے اُجاڑا ہے وہ نشیمن ہون

لگی ہے اپنی ہی مین جل بجھا ہون صورت شمع
جو آرزو ہون اُسی آرزو کا مدفن ہون

یہ لاغری ہے مری زخمہ دز اہل وفا
چھپا ہوا ہون ہر اک آنکھ مین وہ سوزن ہون

جو سخت جان ہون تو اپنے لئے ہون اے قاتل
نہ ہون مین سنگ فلاخن نہ تیغ آہن ہون

مجھے تباہ کیا ہے وطن پرستی نے
صبا کی طرح ہوا خواہ اہل گلشن ہون

نہ توبہ کی ہے بظاہر نہ چھپ کے پی ہی شراب
بری ہون داغ ریا سے وہ پاکدامن ہون

جفا شعار سمجھکر دیا ہے دل مین نے
تمہارا دوست ہون ایسا کہ اپنا دشمن ہون

چھٹے نہ مر کے بھی اسے آرزو شعار وفا
کہ ہون جو خاک بھی مٹ کر تو خاک دامن ہون

(۱۳۲)

ہر جا یہ مدعی ستم باغبان کے ہین — تنکے تمام باغ مین ایک آشیان کے ہین
برباد ہم ہین عشق مین مانند مرغ نو — پابند اک چمن کے نہ اک آشیان کے ہین
کچھ تم بھی کہتے جاؤ تو یاد آتے جائینگے — سب جلے جو میری بھولی ہوئی داستان کے ہین
کیا فیصلہ صحیح ہو پردے کی بات کا — اونکے یہ جور ہین کہ ستم آسمان کے ہین
اک مشت خاک پر مری کس کس کا ہے دباؤ — نازک وفا شناس کے جور آسمان کے ہین
اوٹھا غبار خاک سے اور مینھ برس پڑا — پوچھو دبے ہوون سے جو جور آسمان کے ہین
تم ہو کہ ایک طرز ستم پر نہین قرار — ہم ہین کہ پائے بند ہر اک امتحان کے ہین
گویا ہے عین جامہ دری یہ رفوگری — جوڑے کہان یہ جاتے ہین پرزے کہان کے ہین
ہون صرف تیلیون مین قفس کی تو خوب ہے — تنکے جو میرے اوجڑے ہوئے آشیان کے ہین
ہے گفتگوئے تشنۂ دیدار ناگوار — اب دل مین جیسے ہین تو کانٹے زبان کے ہین

بوئے وفا نہ پائی حسینان دہر مین
بے فیض پھول آرزو اس بوستان کے ہین

(۱۳۳)

خاک ہو کر بھی نمایندۂ میخانہ بنون
کبھی خوشوضع صراحی کبھی پیمانہ بنون

اللہ اللہ فریب رخ زیبائے صنم
کعبۂ دل کو بھی حسرت ہے صنمخانہ بنون

امتحان عشق مین منظور ہے غمخوارون کا
اک ذرا ہوش مین آجاؤن تو دیوانہ بنون

اے فلک میرے لیئے ہے اسی پستی مین عروج
تو مٹا مجکو مین خاک در جانانہ بنون

آب و گل مین ہے نہان سوز فراق ساقی
پختہ ہو جاؤن تو خشت خم میخانہ بنون

بزم ہستی مین جلانے سے ہے جلنا اچھا
شمع بننے سے یہ بہتر ہے کہ پروانہ بنون

عشق ہے جرم اگر جرم سزاوار سزا
آرزو اب مقر اسمین ہے کہ دیوانہ بنون

(۱۳۴)

عالم کو بے بسی نے دیا اختیار مین
ٹھہرا گیا ہمان جو مین تڑپا مزار مین

چھیڑا ہے خاک کشتۂ برق جمال کو
شعلہ بنی ہوئی ہے ہوا کوئے یار مین

نیرنگیون سے دور ہے یکرنگی مذاق
سوکھے خزان مین ہین ہرے ہین بہار مین

دو بھر کسی کو یون نہین ہوتی ہو اپنی چیز
دل اس سے دیدیا کہ نہ تھا اختیار مین

اک ایک رات مین ہوئے دو دو چراغ گل
آنکھین بھی ساتھ دے نہ سکین انتظار مین

روز ازل سے حسن کی جانسوزیون کا راز
پروانہ بنکے دیکھ رہا ہون شرار مین

تربت ہو اک شہید کی ہر ذرۂ زمین
یہ کتنے مٹ کے خاک ہوئے کوئے یار مین

پردہ ہو اک مخالفت ظاہری نہ دیکھ
ہے ربط ارتباط خزان و بہار مین

سوز غم فراق ہو اور اندھیری رات
اک شمع تا بحشر جلے گی مزار مین

یکسوئی خیال کا دشمن ہو دور چرخ
مجبوریان بھی گو نہین اختیار مین

پانی کبھی ہے جوش غم دل کبھی شرار
آنسو رکے تو آگ لگی جسم زار مین

دامن کو چھوڑتی ہی نہین خاک لکھنؤ
مٹنا ہے آرزو اسی اجڑے دیار مین

بظاہر ہستی بے مدعا مین سوختہ جان ہون — اندھیرے کا اوجالا ہون چراغ شام ہجران ہون

کبھی پروانہ جانباز گہہ شمع شبستان ہون — اگر جسم تنگ مین ہون ماجرائے سوز پنہان ہون

تکلف سے الگ رہ کر نہین تکلیف کا کھٹکا — کہون کیا وضع اپنی اک لباس بے گریبان ہون

حقیقت مین ہے آب گل کی اے سرشتگی بتلا — حباب قلزم مواج یا گرد بیابان ہون

بنایا ہے بگولا سا نفس نے اس جسم خاکی کو — مین خود اس سیر گہہ مین اپنی بربادی کا سامان ہون

مری دیوانگی بنیاد ایجاد سلاسل ہے — بنا جسد تن سے زندان زینت آغوش زندان ہون

جو گزرے حد سے بیتابی تو صبر آ تو ہوتی ہے — سراپا درد ہون لیکن دوائے دردمندان ہون

گرا پروانہ شعلہ پر تو بول اٹھی لگی دل کی — کیا دونون کو جس نے ایک مین وہ ربط پنہان ہون

سمجھ لے راز پوشی مین مجھے اے شمع اپنا سا — کہ جسد تن سے زبان پائی ہے خاموشی مین نالان ہون

خداوندا عوض منت پذیری کے وہ جوہر دے — خود اپنے درد کا اس دکھ بھری دنیا مین درمان ہون

جلے دل کا پتنگا جان کر اے شمع تو مجھکو — اگر تو اک رات کی رونق ہے مین دم بھر کا مہمان ہون

مین کیا ہون کون ہون اے آرزو ہستی ہی کیا ہے

جسے خود بھی نہ سمجھا آج تک وہ راز پنہان ہون

۱۳۱

یہ گلِ رضائے حبیب ہے اسے ڈھونڈھ گلشنِ ناز میں

مرا سجدہ داغِ ریا نہیں کہ ملے جبینِ نیاز میں

وہ جو شانِ ناز و غرور تھی نظر آئی حدِ نیاز میں

یہی حکمرانِ ایاز تھا کہ ہے اختیارِ ایاز میں

کسی رات میں نہ پڑھی گئی کہ ضیقِ وقت سے بن پڑی

جو نمازِ شوق ادا ہوئی شبِ قدرِ زلفِ دراز میں

نہیں پاس مایۂ صبر اب ہوئی نذرِ گریۂ بے سبب

وہ گہر بکھر گئے آج سب کہ جو تھے خزینۂ راز میں

یہ جہان ہے منزلِ آب و گل اسے طے کرے ہو کسکا دل

وہ قدم ہوں جو رہیں مستقل خطرِ نشیب و فراز میں

نہ ہے صاحبی نہ ہے بندگی کوئی حالت اور ہے تیسری

تو ہیں شانِ سکوت کی نہ ہے ناز میں نہ نیاز میں

ہوا قطرہ گوہر بے بہا تو پھر اس کا کبر و غرور کیا

وہی اب بھی میں ہوں جو پہلے تھا گہِ غریب نواز میں

جو ذرا بھی تارِ نفس چھڑا تو یہ دل سے آنے لگی صدا

جو ہو پردہ نغمۂ راز کا کوئی ہے وہ پردہ بھی ساز میں

ہے عجیب شیشۂ دل حزیں کسی ایک حال پہ جو نہیں

کبھی پیش دیدۂ عیب ہیں کبھی دست آئینہ ساز میں

مرا سجدہ سہو میں پڑ گیا اب اسے قضا کہوں یا ادا

تری یاد نے یہ غضب کیا کہ ستایا آ کے نماز میں

اثرِ نگاہ تھا ہر طرف کہ اُلٹ کے رہ گئی صف پہ صف

ہوئے سیکڑوں ہی جگر ہدف ترے ایک ناوکِ ناز میں

مرے بہتے اشک اُرک سکے کہ مزاج ملتا ہے شمع سے

وہیں سے شعلے بھڑک اٹھے ہوئی کچھ کمی جو گداز میں

اب اُن آرزوؤں کا کیا پتا کہ مزار بھی تو نہ بن سکا

تری شوخیون نے ڈبو دیا مجھین پھر کہ دل کے جہاز ہین

یہ سوائے شمع ہی کس کی خو کہ جلے دل او نہ آئے بُو
یہ سکوت دیکھ لو آرزو کہ ہر کس زبانِ دراز ہین

(۱۳۷)

ضبط غم دل آسان اظہارِ وفا ممکن
ہونے کو یہ سب ممکن ملنا ترا نا ممکن

نالون کا اثر ممکن تاثیرِ دعا ممکن
اس ہونے پہ ہر شے کے کچھ بھی نہوا ممکن

اس عالمِ امکان مین کیا ہی جو ہو نا ممکن
ڈھونڈھو تو ملے عنقا چاہو تو خدا ممکن

جو سب کی تمنا ہو سنتے ہین کہ ہر جا ہے
دشوار ہے پہونچنا ہے ملنا تو پتا ممکن

جس کو تری خواہش ہین دنیا سے نہین مطلب
اُس کے لیے یکسان ہی ہر ممکن و نا ممکن

ہین چشم مروت کے سب دیدہی معنے
ہین درد سے جان بر لب اور تجکو دوا ممکن

بیجا بھی سہی شکوہ غصہ تمھین کیون آیا
ہین بھی تو بشر ہی ہون انسان سے خطا ممکن

وگر ہے زمین کافی بستی ہو کہ ویرانہ
پڑ رہنے کو جا آسان مر مٹنے کو جا ممکن

کیون خونِ جگر پیتے کس واسطے غم کھاتے
ہو جاتا اگر جینا بے آب و غذا ممکن

مرنا ہی چاہئے گا جینا جسے مشکل ہو | پھر زہر ہی کیوں کھاتے ہوتی جو دوا ممکن

اے آرزو اب میں ہوں اور عشق کی رسوائی
خاموش بھی گر بیٹھوں چرچا نہ ہو کیا ممکن

(۱۳۸)

کوئی چٹکا ہوا شیشہ ہوں یا ٹوٹا ہوا دل ہوں | ہر صورت میں اک آئینۂ بیدادِ قاتل ہوں
بنا دوں محوِ حیرت اک زمانے کو جو بسمل ہوں | میں خود وارفتہ ہوں لیکن ادب آموزِ محفل ہوں
محبت میں مزاج اتنا تو مل جانا ضروری ہے | کہ شوخی ہو تری چتون سے پیدا اور میں بسمل ہوں
امید و بیم الفت نے کیا قائل تناسخ کا | کبھی ہنستا ہوا غنچہ کبھی روتا ہوا دل ہوں
مفر ممکن نہیں ہو کر کنارہ کش بھی دنیا سے | کہ موجیں جس سے ٹکراتی ہیں آ آ کر وہ ساحل ہوں
تری غمزے جفا مجھ میں بھی ہیں ظالم مگر یوں ہے | کہ تو اوروں کا قاتل ہے میں اپنا آپ قاتل ہوں
انا لیلیٰ کے دعوے بھید دل کا کھولے دیتے ہیں | میں پشتِ ناقۂ وحشت پہ اک بے پردہ محمل ہوں
زباں سے رازِ الفت جب بیاں کرتے نہیں بنتا | تو خود لکنت یہ کہتی ہے میں شرحِ مطلبِ دل ہوں
مری بے چینیاں الزام بے صبری کو دیتی ہیں | بندھے ہیں دست و پا جس کے میں وہ مجبور بسمل ہوں

جہانِ تو ہی ہر ذرّہ مرے صحرائے وحشت کا
بتا دون راستہ رہبر کو وہ گم کردہ منزل ہون

نگاہِ ناز نے تیر افگنی مین کیون کمی کر دی
ابھی ہے جان کچھ باقی ابھی مرنے کے قابل ہون

ہوا ہی جذب جس جا خون تربت بھی وہین ہوگی
بڑے دعوے سے حقدارِ زمینِ کوچۂ قاتل ہون

جہان ہو مدعی علم لیکن آرزو مین تو
نہ سمجھا آج تک اپنی حقیقت بھی وہ جاہل ہون

(۱۳۹)

صبح کرین گے مثلِ شمع ہم فراقِ یار مین
جس کو امید ہی نہین کیون رہے انتظار مین

لے بھی گیا جنون شوق لاش کو کوئے یار مین
جز کفنِ دریدہ اب خاک ہے کیا مزار مین

مرنے پہ بھی نہین فراغ جلتا ہی اب بھی دل کا داغ
ہے سرِ قبر اک چراغ شمع ہے اک مزار مین

مٹ کے بھی تھے وفا کے ساتھ دامنِ دلربا کے ساتھ
مل کے چلے ہوا کے ساتھ چھپ کے رہے غبار مین

خواب مین ہی زمانہ بھر خفتہ نصیب اک مگر
آنکھین لگائے سوئے در بیٹھا ہی انتظار مین

سیکھے ہین کھو کے آبرو جب ہے یہ اپنی گفتگو
دل نہ لگائے آرزو ہو اگر اختیار مین

ردیف واو

(۱۴۰)

پردہ جو دوئی کا اُٹھ جائے پھر دو نہ رہیں افسانے دو
دھوکا ہے یہ نام دیر و حرم بت ایک ہی ہو بتخانے دو

تھی خاک بگولا بن کے رواں اور روح عدم میں سرگرداں
اک دم سے ترے دیوانے کے آباد ہوئے ویرانے دو

اب یا تو وہ دلبر ہی چھوٹا یا ہاتھ اُٹھا یا دل ہی سے
کب تک یہ کشاکش کی حالت نبھنے کے نہیں یارانے دو

پروانہ جو چپ ہے تو رہنے دو کیا کہتی ہے شمع اُدھر دیکھو
کہنے سے سمجھنا ہے مشکل ہے ایک زبان افسانے دو

آنکھیں وہ رسیلی صبر شکن اور جوش بھرا دل بے قابو
بھڑکی ہوئی پیاس یہ گرمی کی اور چھلکے ہوئے پیمانے دو

جب دل میں جھجک آجاتی ہے خود ہاتھ لرزنے لگتے ہیں

یا مشقِ جفا سے باز رہو یا خوفِ خدا کو جانے دو

اے شمع نظارہ سوز بتا اس گرمیِ حسن سے فائدہ کیا

اندھیر ہے بزم جلوہ گری جس روز جلے پروانے دو

ناصح ہو کہ آزرؔ شیدا دونوں کو مرضِ نافہمی کا

سمجھائے کسے روکے کس کو بھڑ جائیں جو یوں دیوانے دو

(۱۴۱)

رونے پہ مرے ہنستے کیا ہو بے سمجھے نہ دیوانہ جانو

دل کس سے لگایا ہے تم نے تم درد کسی کا کیا جانو

کہہ سکتے نہیں یہ بھی موسیٰ ہوش اُڑنے سے پہلے کیا دیکھا

دیدار کجا جلوہ کیسا اس کو بھی بس اک پردا جانو

رونے پہ کسی کے کوئی ہنسے ہنسنے پہ کسی کے کوئی رو دے

جو بات ہے جسکی وہ جانے ہم کیا سمجھیں تم کیا جانو

ہر چند سمجھ کیا سکتے ہو چپ رہ کے مری خاموشی کو

بت بن چکے اب انسان بنو اتنا تو کہو جتنا جانو

کہنے سے نہ کہنا ہی اچھا نادان سے پردا ہی اچھا

ہر طرح ہے اچھا ہی اچھا تم حال نہ جانو یا جانو

مایوس وہ دل ہر پہلو سے آخر کہو کسکا ہو کے رہے

جس کو نہ میں اپنا سمجھوں جسکو نہ تمھیں اپنا جانو

میدان تصور محکم ہے آزاد خیالی کیا کم ہے

بے قید جنون کا عالم ہے زندان بھی ہو تو صحرا جانو

سیلاب نگاہ حسرت زا جب چاہے ڈبو دے یہ دنیا

سمجھو نہ اسے سوکھا چشمہ اک بہتا ہوا دریا جانو

اے آرزو ان سے تم نہ کہو بڑھ جائیگی وحشت دیکھو
اس سلسلۂ بے ربطی کو زنجیر جنون افزا جانو

(۱۴۲)

دل تو جبھی ہم دینگے کہ جب ان گالون کا اک اک بوسہ دو

ورنہ ہے خالی باتین بنانا لینا ایک نہ دینا دو

توڑکے دل جز داغ ملا کیا آخر یہ تو بتلا دو
تم سے کہا تھا کس کافر نے بنتے ہی بُت کعبہ ڈھا دو

چارہ کار نہ ہو جب کوئی غمخواری خونخواری ہے
دل کی دوا تو مل چکی تم کو زہر ہی تھوڑا سا لا دو

خوب ہوا دل زلف مین اُلجھا بچ کے گیا تھا نظرون سے
ہے یہ چور سزا کے قابل باندھ کے اس کو لٹکا دو

پھیر لین سب اُلجھانے نگاہین جاؤ بھی جی بس دیکھ لیا
توڑ ہی دینا ہے جب رشتہ باندھ تو پھر جھٹکا دو

دل کا ناسور آنکھون سے دیکھو جوش ہو اس مین سمندر کا
رسنے والا ایک ہے سوتا بہنے والے دریا دو

رحم و غضب کا ایک ہے حاصل تم کیون قاتل بنتے ہو
شان نہ چھوٹے معشوقی کی زہر بھی دو تو میٹھا دو

ملک عدم کے جانے والو وقت سفر کا ایک نہین
تم ابھی ٹھہرو ہمکو ہے جانا بیچ سے سرکو رستا دو

آرزو اک غم کا پتلا ہے شادیٔ مرگ نہ ہو جائے
زہر نہین دیدار کا شربت لیکن تھوڑا تھوڑا دو

(۱۴۷)

دیکھا جو پست ہوتے اور ون کے حوصلے کو
یونہین دبائے رکھا اس دل کے ولولے کو

بدعہد نے دیئے ہین نقصان کیسے کیسے
جانے دو ساتھ جی کے اب اس معاملے کو

چہرہ سے بر بھی ہین پردہ ہٹانے والا
منسوخ کر رہا ہے آپ اپنے فیصلے کو

اے جذب کھینچ اُن کو اے شوق مجکو لیچل
آسان ہے گھٹانا کوسون کے فاصلے کو

ناکام حسرتون کو جوشِ خوشی نے مارا
منزل پہ آکے لوٹا رہزن نے قافلے کو

یہ آگ مین ہے گویا اور آگ اک لگانا
رہ رہ کے چھیڑتے ہو کیون ایک دل جلے کو

اے آرزو نہ روکو بڑھتی اُمنگ دل کی
اچھا نہین دبانا اس خام آبلے کو

(۱۴۴)

کہنا پڑا نہ کیا کیا اُس دلستان سے ہمکو — آتی ہے خود حیا اب اپنے بیان سے ہمکو

خالی تھے بیخودی مین ہم سے تو دونون عالم — اے ہوش ڈھونڈھ لایا یہ تو کہان سے ہمکو

چاکِ قفس سے جس تک جاتی نہین نظر بھی — اب کیا رہا تعلق اُس آشیان سے ہمکو

آنکھین ہماری ہونگی اور پتلیان تمھاری — محشر مین ڈھونڈھ لینا اپنے نشان سے ہمکو

جب یہ سمجھ لیا ہے یہ کچھ نہین کہے گا — جو چاہے آپ کہہ دین اپنی زبان سے ہمکو

اے آرزو چھٹے گا کلمہ نہ اُس صنم کا
اُلفت نے جسکی کھو یا دونون جہان سے ہمکو

(۱۴۵)

سب کچھ ہے وہین جلوۂ جانانہ جہان ہو — کعبہ بھی اُسی حد مین ہے بتخانہ جہان ہو

خلوت مین مخل ہوتی ہے سائے کی ودنی بھی — کوئی نہو اُس جا ترا دیوانہ جہان ہو

ہان لے نکل اے بیخودی اس قید خودی سے — جانا ہے وہان دخل کسی کا نہ جہان ہو

کس درجہ ترا حسن ہے سر ریز محبت — دم بھر مین چھلک جانے وہ پیمانہ جہان ہو

ممنون پر و بال نہین جذب کی تاثیر
خود شمع اُدھر کھنچتی ہے پروانہ جہان ہو

مخصوص ہے اس کے لئے کعبہ نہ کلیسا
سجدہ وہین ہوگا درِ جانانہ جہان ہو

سینہ مین ہے جب دل تو خوشی بھی ہے غمی بھی
سب دور وہین ہوتے ہین پیمانہ جہان ہو

اک قالب بے روح ہے ہر خاک کا ذرہ
بستی ہے قدیمی وہی ویرانہ جہان ہو

ہوتا ہے جدھر آئینہ کھنچتا ہے اودھر عکس
دنیا وہین ہو گی دلِ دیوانہ جہان ہو

جلتا ہوا دل رکھدو وہان شمع ہٹا کر
اک کشتۂ حسرت کا عزاخانہ جہان ہو

اے آرزو اب یکھین قفس ہو کہ نشیمن
کل ہون گے اُسی جا کششِ دانہ جہان ہو

(۱۴۶)

دل مین اپنے فریب رہزنِ جان کے لطف تماشا کو
جانے والے وقت سے پہلے چھوڑ چکے ہین دُنیا کو

خاک مین اے دل تیری کدورت ہمکو ملائے دیتی ہے

آپ بھی ہے مرناکہ نہین ورگور نہ کر مجھ زندا کو

ہے یہی ضبطِ اشک تواک دن آنکھ سے شعلے نکلین گے

موج کہان کی کیسا بھنور جب آگ لگادی دریا کو

جن سے ہے دنیا بزم طرب یہ سب وہمی تصویرین ہین

دھوکے کی ہے گھما گھمی گھر نہ سمجھو اس صحرا کو

آرزو آنکھین گر روشن ہین طور کہان کا کیسا عرش

حُسن ہے ہر جا اور بے پردہ کیون کہین پھر جھانکو کو

(۱۴۷)

یون آگ لگاتے پھرتے ہو کیون جب گرم ہوا سے ڈرتے ہو

دل پہلے جلا کر خاک کیا اب ٹھنڈی سانسین بھرتے ہو

بے موت کوئی کس طرح مرے کر کے نکمان خنجر نہ کھنچے

ہو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے کچھ کرتے نہین کیا کرتے ہو

یہ بات تھی کیا عقدہ نہ کُھلا جب زہر مجھے پیتے دیکھا

اک ٹھنڈی سانس تو لی اُس نے اتنا نہ کہا کیون مرتے ہو
تلوار اُٹھائی پھر رکھدی ابرو پہ بل آیا لب پہ ہنسی
بس دیکھ لی یہ ٹھنڈی گرمی جلاد بنے اور ڈرتے ہو

بس آرزو آج ہی دیکھ لیا کل پھر ٹوٹے گی یون ہین توبہ
جب دل نہین اپنے قابو کا پھر کیون قابو سے گزرتے ہو

(۱۴۸)

پھر حکم یہ دینا کہ اسے در سے اُٹھا دو
پہلے مگر اس کے کوئی دروازہ بتا دو

کرتے نہین خود عذر گنہ دیتے ہو الزام
اس سے تو یہ بہتر ہے کہ دیوانہ بنا دو

منظور جو ہو ترسی ہوئی آنکھون کی تسکین
دیکھا ہوا اُن کا کوئی آئینہ دکھا دو

ہے ٹوٹ کے بھی شیشۂ دل قدر کے قابل
کیون پھینکتے ہو لاؤ ادھر مجکو اُٹھا دو

دل ہے تو سویدا بھی ہے ہم ہین تو وفا بھی
ظاہر مین تم اس داغ کو رکھو کہ مٹا دو

کس کس سے بچے دل کہ ادھر عشق ادھر حسن
مشہور یہ ہے ایک کی دنیا مین دوا دو

دل تم سے لگا کر کسی پہلو نہین آرام
بولون تو ہو ناخوش جو نہ بولون تو ستا دو

اتنا تو ہے معلوم کہ ہر بزم مین ہو تم | پہچان لین آنکھین کوئی ایسا تو پتا دو

کب تک پئے وصل آرزو شیفتہ ترسے
پردہ جو دوئی کا ہے یہ خلوت سے اُٹھا دو

(۱۴۹)

بھولے بن کر حال نہ پوچھو بہتے ہین اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بیچینی دل کی ایسی تسلی رہنے دو
رسمین اس اندھیر نگر کی نئی نہین یہ پرانی ہین
مہر بترا انوار کا پردہ ماہ کو روشن رہنے دو
روح نکل کر باغ جہان سے باغ جنان مین جا پہونچے
چھرے پہ اپنے میری نگاہین اتنی دیر تو پڑے رہنے دو
خندۂ گل بلبل مین ہو گا گل مین نغمہ بلبل کا
قصہ ایک زبانین دو ہین آپ کہو یا کہنے دو
اپنا جنون شوق دیا کیون خوف جو تھا رسوائی کا

یاحق کرو خود قابلِ شکوہ اُنکے مجکو اپنے دو

(۱۵۰)

غم ناگوار اے دلِ دردآشنا نہو
پی اس مزے سے زہر کہ مُنھ بدمزا نہو

مجھکو زبانِ حال سے کہنا ہی رازِ عشق
بیٹھون نہ گر خموش تو مطلب ادا نہو

اُس بت کے دلمین رہ کے سہین ہم نے سختیان
اور ایسی جا نہ تھی کوئی جس جا خدا نہو

کیا لطفِ دید اُٹھائے وہ مشتاقِ برق تن
دیکھا کرے جو یہ کہ کوئی دیکھتا نہو

بے چشمِ امتیاز نہ ہر شعلہ خو کو چھیڑ
بدلے ہوے یہ بھیس کوئی دلربا نہو

ہان ہان یہی ہی شانِ حجاب اے کلیمِ طور
پردے اُٹھین ہزار مگر سامنا نہو

طے کر رہا ہون راہِ عدم لیکے اُلٹی سانس
جانا اُسی طرف ہے جدھر کی ہوا نہو

جو کہہ گئی سکوت مین حسرت بھری نگاہ
سو سو زبانین ہون تو وہ مطلب ادا نہو

موقع وہ عرضِ حال کا دیتے نہین مجھے
ترسی ہوئی نگاہ نے کچھ کہہ دیا نہو

ہے دل کو شوق چوٹ بھی کھانے کا آرزو
ڈر یہ بھی ہے کہ دردِ محبت سوا نہو

۱۵۱

غیر کوئی دمِ خلوت خلل انداز نہو — آپ پہلو مین جو ہون سانس بھی مساز نہو

مژدۂ وصل پہ آنسو نکل آنا کیسا — یہ بھی برگشتہ نصیبی کا کوئی راز نہو

بیرخی سے بھی وہ دل چھین لیا کرتے ہین — اثر اتنا جب ادا مین ہو توکیون ناز نہو

یہ رہائی ہے اسیری سے بھی بدتر صیاد — کہ کشادہ ہون پر اور طاقتِ پرواز نہو

حسن کی ہے یہ کرامت یہ ہی پردہ کی جفا — شیشہ ٹوٹے دلِ عاشق کا اور آواز نہو

سُرخ اشکون کو مرے غور سے تکنے والے — دل خون گشتہ کی حسرت نظر انداز نہو

آرزو پھر وہ مکرر نہ کرے کیون نالے
کوئی جب دردرسیدہ کا ہم آواز نہو

———

۱۵۲

بس اب گرائے نہ بجلی نگاہ کا شعلہ — بھڑک اُٹھے گا مجھے دل کی آہ کا شعلہ

کچھ اُس کو ہو گی اسی ٹھنڈی سانس سے تسکین — جلا رہا ہے جسے تیری چاہ کا شعلہ

لگی کا دل کی مرے حال شمع سے پوچھو — ہے شرح سوز زبانِ گواہ کا شعلہ

۱۵۴

دبائے بیٹھا ہون سینے میں اپنے دکھ کا اک ڈھیر
نہ دل ہے اب نہ جلے دل کی آہ کا شعلہ

یہ تھے غریب کے آنسو کہ تیل کے چھینٹے
بھڑک اٹھا غضب کینہ خواہ کا شعلہ

جفائے دوست میں پیدا ہی شانِ دلسوزی
چراغ خلد ہے دوزخ کی راہ کا شعلہ

اب اُس کو خوف ہی کیا ہی عذاب دوزخ سے
جلا چکا جسے شرمِ گناہ کا شعلہ

نہ بجھ سکا مرے اشکون کے گرم پانی سے
ارے تری نگہِ بے پناہ کا شعلہ

وہ سرد و گرم جہان آرزو ہمین تک تھے
اب آنسوؤن کے ہین چھینٹے نہ آہ کا شعلہ

۱۵۳

رٹتا ہون مصیبت مین ترا نام ہمیشہ
آسان یوہین ہوتا ہے ہر کام ہمیشہ

ان گیسوؤن نے بڑھ کے بنایا تجھے صیاد
کاندھے پہ پڑا رہتا ہے اک دام ہمیشہ

بے بادہ پیا کرتا ہے دل گھونٹ لہو کے
رہتا ہے مرا تشنۂ خون جام ہمیشہ

لاتا نہین پیغام کوئی اُس سے ہی یہ حال
قاصد کو دیا کرتا ہون انعام ہمیشہ

جا کر نہین پھرنے کی یہ بالونکی سیاہی
آئے گی یہان بعد سحر شام ہمیشہ

دنیا ہی یہ رنگ اسکا بدلتا ہی شب و روز تکلیف ہمیشہ ہے نہ آرام ہمیشہ

اے آرزو اس داغ محبت کی بدولت
رہتا ہون مین خورشید لب بام ہمیشہ

۱۵۴

اخفاے رازِ محبت مین کیا شان ہے اپنے مرنے کی
وہ درد کا بڑھتے ہی جانا اور طاقت اُف بھی نکرنے کی

اس دم بیخودی نے دم بھر کی اور آگ لگا دی سینہ مین
ہر وقت لگی مین ضرورت ہے کچھ ٹھنڈی سانسین بھرنے کی

اب کیا ہے علاجِ غم دوری سوچین تو سمجھ مین آجائے
ہر وقت کی جانکاہی سے مگر فرصت ہی کسے ہی مرنے کی

دنیا تو ہے اپنے مطلب کی ہی جسکی کسوٹی خود غرضی
ہو دام بدی کا شک جسپر اتنی بھی نہ اپیل کرنیکی

جب چھوڑ دی سب نے ہمنفسی نغمے نہ سہی نالے نہ سہی

خاموش رہا جائے کیونکر عادت تو ہے باتین کرنے کی
پھر تن خاکی دنیا مین کیون فکر ہے پختہ عمارت کی
ہر سانس نمونہ ہے اُسکا جتنی فرصت ہے ٹھہرنے کی

منزل ہے کدھر جاتے ہو کہان اک ردہی خود فکرِ رمان
بس آرزو اُلٹے پاؤن پھرو یہ راہ نہین ہے گزرنے کی

۱۵۵

ستم سے شمع سراپا بیانِ راز ہوئی
کٹی زبان تو کچھ اور بھی دراز ہوئی

یہ نالۂ دلِ غافل ہے مرغِ بے ہنگام
اداے فرض مین چوکا قضا نماز ہوئی

وہ انتظار کی شب نیند وہ جوانی کی
نہ بند تا بہ سحر چشمِ نیم باز ہوئی

فروغِ حُسن کی بُنیاد بھی ہے آتشِ عشق
کہ شمع سوختہ تن ہو کے جان گداز ہوئی

ہنسی وہ بھول گئے میری سانس اُکھڑتے ہی
طربِ ترانہ صداے شکست ساز ہوئی

بنی یہ سجدہ گہِ عرش کس شہید کی خاک
زمین گورِ غریبان کی سرفراز ہوئی

یہ کس نے قطع کیا آرزو کا نخلِ اُمید
زمینِ فخر یہ ہر شاخ سروِ ناز ہوئی

ن جو کچھ تھا کھو بیٹھے اپنی کیا اوقات رہی

جان رہی کچھ دن کو تو وہ بھی وقف صد آفات رہی

پھونکا اندر اندر آہ نہ لب تک آنے دی

شکوہ کیسا شکر کی جا ہے جان گئی تو بات رہی

بالون مین سپیدی چونک ذرا کروٹ تو بدل

شام سے غافل سونے والے دیکھ تو کتنی رات رہی

غم کا بنا ہے خود پردہ خاموشی کا

بیٹھ کے چپ حاصل ہوا کیا اب بات گئی یا بات رہی

اس دنیا سے غم کی دنیا والون کو

صبح ہوئی سارے عالم مین آنکھون مین اپنی رات رہی

جل مرنے کو شمع کے دیکھ اے پروانے

مرد بچے سے ور اس میدان مین اکثر عورت ذات رہی

آرزو آگرد وہی یہ موسم عشق کی دنیا مین دیکھیے
دل مین اُڑا کی خاک ہمیشہ آنکھون مین سماتی ہی

۱۵۷

جاگی جو آنکھ اپنے نصیبون کو رو گئی | اُٹھتے ہی خواب شب کا سمان صبح ہو گئی
وہ دیکھتے ہی دیکھتے نظرون سے چھپ گئے | مین جاگتا رہا مری تقدیر سو گئی
آتا ہے سب دلون کو تجاہل کا بھی جواب | جو ہے تمھارے پاس وہی چیز کھو گئی
انجام درد عشق جو ہونا تھا ہو چکا | اب آپ جائین دل کی تڑپ ختم ہو گئی

ہین آرزو وہ شکوۂ غم پر عرق عرق
آج اپنے دل سے جلتی کدورت تھی دھو گئی

۱۵۸

ہر ابر مین پوشیدہ بجلی کی چمک دیکھی | جو پردہ ذرا سرکا اُس رُخ کی جھلک دیکھی
کثرت مین نظر آیا وحدت کا تری جلوہ | پھولون کی مہک سونگھی شبنم کی جھلک دیکھی
گر خوف خدا ظالم ڈرنا ز سوزان سے | بادل کی گرج سن لی کوندے کی لپک دیکھی

ہو کوئی ادا جسمین قاتل وہی ہوتا ہے — برچھی کی لچک دیکھی خنجر کی چمک دیکھی

تم پھولو پھلو اچھا ہم زہر بھی کھائین گے — ہان موسم گل آیا سبزہ کی لہک دیکھی

او نیند سے متوالے کیا حال کہون اپنا — آنکھون نے جھپکتے ہی شب بھر نہ پلک دیکھی

ہان آرزو اب سمجھے ہان ہان یہی دل ہوگا — اک پھانس کی سینہ مین ہر وقت کھٹک دیکھی

۱۵۹

غم سے دم بھر مفر نہین ہوتی — عمر یون تو بسر نہین ہوتی

آزماؤ دعا کو اب اپنی — کہ دوا کارگر نہین ہوتی

پہلے نالون سے تھا جہان نالان — کانون کان اب خبر نہین ہوتی

گھر جدائی مین ہے نمونۂ قبر — شام ہو کر سحر نہین ہوتی

خود چلے آؤ یا بلا بھیجو — رات اکیلے بسر نہین ہوتی

ہم خدائی مین ہو گئے رسوا — مگر اُن کو خبر نہین ہوتی

کسی نادان سے جو کہی جائے — بات وہ مختصر نہین ہوتی

جب سے اشکوں نے راز کھول دیا
آگ دل مین لگی نہ جب تک

چار اپنی نظر نہین ہوتی
آنکھ اشکوں سے تر نہین ہوتی

آرزو تم رُکے ہو کس بل پہ
آہ کیا بے اثر نہین ہوتی

۱۶۰

اک معمہ تھی جو آشفتہ بیانی اپنی
جھلملایا نہ کبھی سوز محبت کا چراغ
داغ ہجران بھی نگاہون مین کھٹکتا ہوگا
دامنِ صبر پہ ہے جوششِ گریہ کی نظر

خود کہی خود ہی سنی ہمنے کہانی اپنی
ایک بھڑکا ہوا شعلہ تھی جوانی اپنی
اُن سے لیتے نہین بنتی ہے نشانی اپنی
آگ بھڑکائیگا بے وقت یہ پانی اپنی

آرزو کیا وہ مٹاتا جو نہ مٹتے تم آپ
کیا گلہ غیر کا خود قدر نہ جانی اپنی

۱۶۱

جاگتے گزری نہ سوتے گزری
ہجر کی مدت روتے گزری

خاک مین خاک نہ مل لی جبتک
آنسوؤن سے منھ دھوتے گزری

رات مرنے کی اور یہ غفلت
ساری جوانی سوتے گزری

غم کی مرے کیا قدر ہو اُس کو
عمر جسے خوش ہوتے گزری

آرزو اک امید لگا کر
پاس ہی سے کچھ کھوتے گزری

۱۶۲

حسرت کا مرقع ہو تصویر ہے عبرت کی
مرجھائی ہوئی صورت بیمار محبت کی

نکلے گا دھواں دل سے آنسو جو گراؤ گے
خاکستر سوزان ہے مٹی مری تربت کی

جو دیکھ چکا ہون مین اللہ نہ دکھلائے
آنکھون مین سیاہی ہے ابتک شب فرقت کی

لبریز لہو سے ہین امیدون کے پیمانے
آنکھین تو ذرا دیکھو مشتاق شہادت کی

تم اپنی طرف کھینچو موت اپنی طرف کھینچے
کیا جان عذاب مین ہے بیمار محبت کی

رنگ آرزو اُڑ اُڑ کر کہتا ہے مرے رُخ سے
یہ شام جدائی بھی ہے صبح قیامت کی

۱۶۳

سوزِ غم دے گیا کون سازِ شکستِ گُل یہ ہوا عشق کی کس چمن مین لگی
آنچ دل سے اُٹھی لو جگر تک گئی مُنھ سے نکلا دھوان آگ تن مین لگی

تا بہ عہدِ جنون دھوم نالون کی تھی بیخودی جاتے ہی شرم آنے لگی
لو وہ دل کی گرہ خود بخود کھل گئی لو وہ مُہرِ خموشی دہن مین لگی

یہ اچانک نظر کس طرف جا پڑی سادگی کی ادا آنکھ مین کھُپ گئی
اُف کنکھیون سے تکنا ستم ہو گیا دل پہ برچھی اسی بانکپن مین لگی

پھر بہار آ گئی گھر مین اُلجھن ہوئی پھر بڑھی بیخودی دُھن لگی دشت کی
اُف یہ جوشِ جنون اُف یہ گرمیِ خون پھول کھلنے لگے آگ بن مین لگی

آرزو آرزو کیا ہوا کیا ہوا چُپ ہو کیون چُپ ہو کیون کچھ کہو کچھ کہو
فق ہے مُنھ زرد رُخ چشم تر خشک لب چوٹ دل کو یہ کیسی لگن مین لگی

۱۶۴

یہ اچانک کدھر نگاہ گئی		ساتھ دل سے نکل کے آہ گئی

پیری اچھی شباب و طفلی سے
کہ بُرے حال مین نباہ گئی

اُن کو جنبش نہ ہو فلک ہلجائے
کیا غلط راستے سے آہ گئی

دخترِ رز آ لئے زمِ زاہد مین
پارسا تھی کہ نیک راہ گئی

کیا بلا تھی یہ انتظار کی رات
شمع گُل کرکے رو سیاہ گئی

کوئی بجلی تھی لہرِ گیسو کی
کہ جھپاک دیکھتے نگاہ گئی

آرزو جام لو جھجک کیسی
پی لی اور دہشتِ گناہ گئی

۱۶۵

الفت کا نتیجہ کچھ نہ ہوا قسمت جو لڑی بھی تو پھوٹ گئی
اک عہد شکن سے عشق کیا جو آس لگائی وہ ٹوٹ گئی

اے سوزِ نہان بس کر بس کر ہے طرفہ تماشا تیرا اثر
ظاہر جو ہوے آہون کے شرر چہرے پہ ہوائی چھوٹ گئی

یہ آرزو اک پیغام مرا خوبانِ جہان سے کہدو ذرا

پاؤ گے نہ دل سے عہد وفا جو پہلے تھی اب وہ ٹوٹ گئی

۱۶۶

یہ کیون کہون کہ خوشی کی گھڑی نہین آتی
ہنسی کی بات پہ بھی اب ہنسی نہین آتی

غضب ہے کہتا ہے ناصح کہ ترک الفت کر
ملا وہ دوست جسے دوستی نہین آتی

یہ سچ کہ ہوتا ہے غفلت سے دور رنج فراق
وہ کیا کرے کہ جسے نیند بھی نہین آتی

مہیب ہے وہ مرے غمکدہ کی تاریکی
قریب ڈر سے کبھی چاندنی نہین آتی

اُڑا کے دل کو اشارون مین آرزو لیجاے
وہ کم سخن کہ جسے بات بھی نہین آتی

۱۶۷

تھی اپنی جگہ ایک جو صورت نظر آئی
بتخانے مین اللہ کی قدرت نظر آئی

سو نت تو مجھے نہ کچھ اے حسن نظر سوز
اندھی ہوئی جب آنکھ تو صورت نظر آئی

دیکھا جسے وہ دل مین لیے لیتا ہے مجھکو
ہر آئینہ مین اپنی طبیعت نظر آئی

[illegible]تو ن مین جو فردا پہ ٹلا وعدہ دیدار
مشتاق نگاہون کو قیامت نظر آئی

جب دیدۂ خونبار سے دامن پہ نظر کی
لکھی ہوئی اک غم کی حکایت نظر آئی

غم قلزم مواج تھا دل چھوٹا سا ساغر
اے پیر مغان تیری کرامت نظر آئی

اٹھی وہ گھٹا وقت گیا خوف گنہ کا
ہان جام کہ اللہ کی رحمت نظر آئی

شاید یونہین ہو جائے جگہ دلمین بھی اکدن
آنکھون مین تمھاری مری صورت نظر آئی

اے آرزو اُبھرے ہوے اک نقش قدم مین
اپنے دلِ سرگشتہ کی تربت نظر آئی

۱۶۸

کیفت نئے ہین عشق کے ہر چا گو کہ ہے دور جام وہی
درد وہی ہے رنج وہی ہے چین وہی آرام وہی

حد مین جنون کی تھا جو نہ پہلے ہے یہ خیالِ خام وہی
جس کا نتیجہ ناکامی ہو کرنا ہمکو کام وہی

عشق مین ان اشکون کے ہاتھون الٹی گنگا بہتی ہے
آپ تھے جو الزام کے قابل دینے لگے الزام وہی

دل کی لگی کو شمع سمجھ لے بن نہ کسی کا پروانہ
ڈرہے جنھین کچھ بدنامی کا رہتے ہین گمنام وہی

ضعف سے کروٹ لینا مشکل دردسے دم لینا دشوار
جس کے ہر پہلو مین وقت پیش آیا ہے کام وہی

وصل و ہجر کا بیش و پس کیا سچا عشق مقدم جان
جو کچھ ہے آرام مین ایذا ایذا مین آرام وہی

رنگ جہان کے پیہم بدلے رنگ طبیعت یکسان ہی
عشق کی اندھی آنکھون مین ابتک صبح وہی ہر شام وہی

طور پہ موسیٰ چرخ پہ عیسیٰ دار پہ حق کہنے والا
زینے سب کے جدا گانہ ہین گو کہ ہے تیرا بام وہی

ترسی نظر اللہ بچائے ڈالتی ہے پتھر مین لکیر
دل کا اشارہ جس کی طرف تھا بیچ سے چٹکا جام وہی

اُلٹے پیرون پھر کر ہم نے شوق کی منزل طے کرلی

یعنی جو آغاز میں دیکھا ہوتا ہے انجام وہی

گذری جوانی پیری آئی آرزو اب تو آنکھیں کھول
دیکھ دو رنگی کی یکرنگی صبح وہی ہے شام وہی

۱۶۹

اک خامشی سی تا بہ سحر انجمن میں تھی ۔ گویا زبانِ شمع ہمارے دہن میں تھی
دعوائے حسن بن گئی آخر فغانِ عشق ۔ جس میں تھا قیس لیلی اُسی پیرہن میں تھی
شرطوں سے عہدنامۂ الفت کی ہے عیاں ۔ گویا زبان آپکی میرے دہن میں تھی
روشن نہوگی قبر اگر دل رہا سیاہ ۔ کیا اُس سے فائدہ جو سپیدی کفن میں تھی
کیا کہیئے اُس نگاہ کی طاقت ربائیاں ۔ اک سنسنی سی دیکھتے ہی تن بدن میں تھی

دل لے رہے تھے جب وہ لگاوٹ سے آرزو
اُسوقت سادگی کی ادا بانکپن میں تھی

۱۷۰

قفل تھا گویا زبان پر شرمِ رسوائی نہ تھی ۔ دل تو سب کچھ کہہ رہا تھا منھ میں گویائی نہ تھی

ہاے وہ دن جبکہ دل کی تاب لب آئی نہ تھی ۔ مین تماشا تھا مگر دنیا تماشائی نہ تھی

دیکھ لوے پاس حیا سے بن گئے گونگے کا خواب ۔ دل مین لاکھون حسرتین تھین منھ مین گویائی نہ تھی

ہے تری پہلی نظر کا زخم دل مین آج تک ۔ بھول جاتی جو کبھی یہ وہ شناسائی نہ تھی

تھا ہی کیا سارے جہان مین ایک جلوے کے سوا ۔ ہاے ان آنکھون کی حسرت جنمین بینائی نہ تھی

بحث کرتے شمع اب لو دے کے وہ جلنے لگا ۔ چپ تھے ہم اس سے کہ قابو مین زبان آئی نہ تھی

جوش وحشت مین بھی تھک کر بیٹھ جانا ہی پڑا ۔ فرق اتنا ہی کہ پہلے آبلہ پائی نہ تھی

آرزوے قتل سنکر کچھ تو کہتی تیغ ناز ۔ ہاتھ بھر کی تھی زبان ورنہ منھ مین گویائی نہ تھی

اس چمن تک اے اندھے شوق مین نرگس کی طرح ۔ تھے سراپا چشم اور آنکھون مین بینائی نہ تھی

ہوش کیسے کھوے جو دینا تھا نہ ساتھ اے یاد دوست ۔ قید تھی پہلے بھی لیکن قید تنہائی نہ تھی

دل کی شوریدہ سری ہی کا رہ بیکاری کا راز ۔ پاؤن کی عادت مین داخل دشت پیمائی نہ تھی

پاس خاموشی سے وقت امتحان مانند شمع ۔ آگ رکھ لی تھی ہتیلی پہ قسم کھائی نہ تھی

تھک گئے شانہ ہلانے ڈالے اور کروٹ نہ لی ۔ ایسی غافل نیند مجکو عمر بھر آئی نہ تھی

کھلتی کلیان آرزو دینے لگین بوسے بہار ۔ راز تھا جوش نمو جبتک بہار آئی نہ تھی

۱۷۱

بے اثر آہ با اثر نہوئی
خشک تھی شاخ بارور نہوئی

غم سے دل دے کے بھی مفر نہوئی
کبھی سیدھی تری نظر نہوئی

کیا سے کیا ہو گیا جہان کا رنگ
مگر اونچی تری نظر نہوئی

یہ تو مانا کہ سُن کے سو گئے آپ
اور کہانی تمام اگر نہوئی

ہم ہوئے ختم رات باقی ہے
اک قیامت ہوئی سحر نہوئی

یاد ہے دعوی وفا تیرا
جسکی تصدیق عمر بھر نہوئی

کون پرسان بیخودی ہوتا
آپ اپنی مجھے خبر نہوئی

تھی یہ تیرے ستم کی کوتاہی
کہ دعا قابلِ اثر نہوئی

آرزو ہم بھی پوچھ لیتے مزاج
یہ ادھر کی تڑپ اُدھر نہوئی

۱۷۲

پھٹے دامن ہیں شرح حال چشم خونفشاں رکھدی

ورق تھا ایک جس پر لکھ کے ساری داستاں رکھدی

وہ تھے پرسانِ حالِ سوزِ دل ہم نے زباں رکھدی

کہ جلتی شمع لیکر اپنے اُن کے درمیاں رکھدی

مٹا کر اُس کے اک فقرے نے ساری داستاں رکھدی

کہ تاثیر سخن پر تہمتِ حسنِ بیاں رکھدی

نگاہِ گرم نے دعوائے جانبازی پہ جھلا کر

چھری جلتی ہوئی گردن پہ وقتِ امتحاں رکھدی

ہوس پوری جو کردی تجھ حریصِ بادہ کی تو نے

تو ساغر بین صراحی جیسے اسے پیرِ مغاں رکھدی

قفس سے ٹھوکریں کھاتی نظر جس نخل تک پہونچی

اُسی پر لے کے اک تنکا بنائے آشیاں رکھدی

مبارک اے نگاہِ یاس پہلی فتح کا سہرا

چڑھی تیوری نے اک قاتل کی تھرّا کر کماں رکھدی

سکونِ دل نہین جسوقت سے اس بزم مین آئے
ذرا سی چیز گھبراہٹ مین کیا جانے کہان رکھدی

بُرا ہو اس محبت کا ہوے برباد گھر لاکھون
وہین سے آگ لگ اُٹھی یہ چنگاری جہان رکھدی

نگاہ برق و چشم باغبان دونون کی زد مین ہے
وہ گلبن جس پہ غفلت مین بنائے آشیان رکھدی

لگاوٹ دلربا نکلی شرارت کج ادا نکلی
ہوا پہلو نشین جب وہ چھری بھی درمیان رکھدی

کیا پھر تم نے روتا دیکھکر دیدار کا وعدہ
پھر اک بہتے ہوے پانی مین بنیاد مکان رکھدی

نہ ہے دستِ مژہ پر خون حسرت اب نہ دامن پر
ملی تھی اک نشانی وہ بھی کیا جانے کہان رکھدی

بدلتے رنگ سانے چہرے کے آج اُن کے تجاہل پر

اُلٹ کر پھر سے درد دل کی ساری داستاں لکھدی

دریدل آرزو دروازۂ کعبہ سے بہتر تھا
یہ او غفلت کے مارے تو نے پیشانی کہاں لکھدی

۱۷۲

بدی مے کی مسلمان ہوکے واعظ جانے حیرت ہے
بُرا کہنا اک اچھی چیز کو کفرانِ نعمت ہے
ترقی دل کے مٹنے مین ہے بربادی مین وسعت ہے
کہ ہر ذرّہ کرہ ہے ہر کرہ دنیائے حسرت ہے
وہ ہے کیا چیز تجھ مین جس نے اپنا کرلیا سبکو
بہت سے یون تو دنیا مین ہین جنکی اچھی صورت ہے
کہان تک تیری اک ٹھوکر کا او ظالم اثر پہونچا
لحد مین مضطرب ہم سینے مین دل دل مین حسرت ہے
سمجھ مین سب اکچھ آتا ہے مگر پھر بچ نہین سکتے

الٰہی کیسی بیداری ہے یہ اور کیسی غفلت ہے
صراط عشق پر لغزش نہ ہونا چاہیئے اے دل
ذرا میں قعر دوزخ ہے ذرا میں باغ جنت ہے

ہنسے تھے آرزو کس دن وہ تیری رونی صورت پر
دعا کرنا ہو جو کر لے کہ وا باب اجابت ہے

۱۷۳

بات آج نہیں کرنا آتی کل ناز و غرور آجائیں گے
ہم راہ لگاتے ہیں جن کو رستا یہ ہمیں بتلائیں گے
ہوتے ہیں جو آج یہ قول و قسم بر وقت نہ کچھ کام آئیں گے
جب دل میں بدی آجائے گی الزام لگائے جائیں گے
قسمت میں ہے وصل کہ ہجر صنم کیا جانے خوشی لکھی ہے کہ غم
رہ رہ کے یہ سوچ ہے اور ستم کیا ہوگا اگر وہ نہ آئیں گے
مطلب سے نظر میں سمائے ہیں دل کی مرے تاک لگائے ہیں

وہ پردے پردے آتے ہین اور پردے پردے جائینگے

ہم صبر کرین دل پر کہ جفا تم روکتے کیون ہو تمسے کیا
جس طرح سمجھ مین آئیگا اُس طرح اسے سمجھائینگے

مطلب سے وہ ربط بڑھاتے ہین دل نے کے وقار گھٹاتے ہین
لوگ آج بلانے آتے ہین کل خود ہی دوڑے جائینگے

ہین آرزو ان کے ڈھنگ بُرے حسین ہین اپنے مطلب کے
یون آپ نہین کہنا سنتے دل دیکے بہت پچھتائینگے

۱۷۴

موت کا جوش جنون لیکے پیام آتا ہی
صید خود اپنے پرون سے تہِ دام آتا ہے

دل تو اسطرح کا نازک ہی خدا خیر کرے
کانپ جاتا ہی اگر ہجر کا نام آتا ہے

مے سے محروم ہون میں پی اسے محروم نہین
کہ جب آتا ہے لنڈھکتا ہوا جام آتا ہے

عشق کے جوش مین سامان ہی رسوائی کا
دل سے کچھ کہتا ہون لب پر ترا نام آتا ہے

آرزو دل بھی نہین درد جدائی کا شریک
سچ یہ ہے کون بُرے وقت مین کام آتا ہے

۱۷۵

پردۂ روئے بے نقاب گیسوئے مشک فام ہے
حسرتِ دید کیا کرین نیت شب حرام ہے

دو ہی یہ رنگِ عیش ہین جن سے کہ ہمکو کام ہے
ساقیِ سبزہ رنگ ہے بادۂ لالہ فام ہے

شرع مین اپنی و اعظو حکم ہین میکشی کے دو
دے جو کوئی حلال ہے خود جو پئے حرام ہے

لاکھ وہ بیرخی جتائے دل نہ وفا سے باز آئے
ہم سے جسے غرض نہین ہمکو اُسی سے کام ہے

سن کے ہو جب ملال اُسے رنجش ہا ہی مجھے
ایسے پیام شوق کو دور ہی سے سلام ہے

اپنی دو رنگی مذاق رکھتی ہے سبب نفاق
ہے کہین پاکدامنی اور کہین دورِ جام ہے

بیٹھے ہین غیر سے جو غم مارینگے اُسکو مر کے ہم
پردۂ شوق قتل ہین حسرتِ انتقام ہے

ہی یہ زمانہ فراق ایک سے بڑا ایک اشتیاق
رات کو یادِ صبح ہے دن کو خیالِ شام ہے

حشر مین بھی کہان نصیب دیکھئے جمالِ دلفروز
جس کی بڑی امید تھی وہ بھی ان اتمام ہے

بیٹھے ہین بن کے نازنین ظلم کرینگے کیا حسین
ہاتھ یہ ہے کہ آستین تیغ نہین نیام ہے

جتنے ہین صاحب وفا دیتے ہین اپنے دل مین جا
تم نے سنا ہو آرزو ہان وہی میرا نام ہے

۱۷۶

موسیٰ کی زبانی سنتے ہین جو دیکھتا ہے غش کھاتا ہے
یہ سچ ہے تو دے ایسی آنکھین تو جن سے دیکھا جاتا ہے
کس صبر سے اک راضی برضا دکھ سہکے ہوا مقتول جفا
آنکھون سے کوئی کیا دیکھے گا سن سن کے تو رونا آتا ہے
خوجب سے نیاز کی ڈالی ہے کچھ بڑھتے جاتے ہین ناز اُن کے
دستور یہی ہے دنیا کا ہر ایک دبے کو دباتا ہے
دراصل تماشاگاہ جہان خود ایک حجاب غفلت تھا
چھلنے لگے دلکش نظارے اب پردہ اُٹھتا جاتا ہے

۱۷۷

کل اُس کو اُٹھانا بھی ہوگا جو بستر آج لگاتا ہے
گھر سمجھو نہ اسکو ہے یہ سرا اک آتا ہے اک جاتا ہے
کمزور جو مجھکو پایا ہے زور اپنا ہر ایک دکھاتا ہے

آنسو ہین کہ ٹپکے پڑتے ہین اور دل ہی کہ اُمڈا آتا ہے

حیران ہو نہ اے قاصد اسپر یہ پیام ہی شکوون کا دفتر
کہدے مری جانب سے جا کر جی اب تو بہت گھبراتا ہے

بے وجہ سہی رونا میرا اس رونے پہ ہنس دینا کیسا
معشوق کو کیا کہیئے اس جا عاشق تو سڑی کہلاتا ہے

اظہار ملال بھی کرتے ہین رسوائیون کو بھی ڈرتے ہین
اک ٹھنڈی سانس وہ بھرتے ہین جب نام ہمارا آتا ہے

ہے چین بچین کوئی خود مین اب شیشۂ دل کی خیر نہین
کرتا ہی جو بیچ بچاؤ کہین وہ مفت مین مارا جاتا ہے

پوچھو نہ بس اب وہ رازِ نہان مدت سے جو ہی دل مین نہان
کہنے مین اُلجھ جاتی ہے زبان لکھنے مین قلم تھراتا ہے

دشوار ہے بات کی تہہ پانا آسان ہے ناصح بن جانا
مشکل ہے سمجھ مین خود آنا پھر اور کو کیا سمجھاتا ہے

وہ سودائی سے جو آتے ہین جو آرزو اُبھلاتے ہین
معشوقون سے عشق جتاتے ہین مُنھ اُنکو کون لگاتا ہے

۱۷۸

عاجزی کی حد ہوئی ڈرسے نہ اے دل کام لے
وہ چھڑاتے ہین اب جو دامن تو گریبان تھام لے

ناتوانی مین تڑپنا بات قابو کی نہین
رحم کر بیدرد بس جو ہوسکے وہ کام لے

روٹھکر اُس جانے والے پر تو کوئی بس نہین
صبر کہتا ہے اب ایسے وقت مجھسے کام لے

اُف رے شوخی ہاتھ میرا بڑھتے ہی خود پی گیا
دیر سے اصرار تھا جس کا کہ لے یہ جام لے

جوشِ غم سے دل بہت اُبھرا ہے اے یادِ مژہ
ہوگیا تیار پھوڑا نیشتر سے کام لے

کہتی ہے راہ عدم مین یہ سیاہی قبر کی
اے مسافر دم ذرا منزل پہ وقت شام لے

کلمہ پڑھتا ہے بت کافر ادا کا آرزو
ہوش مین آ توبہ کر بندے خدا کا نام لے

۱۷۹

اور بڑھی خونخواری ترکان جنگ مین بادہ پرستی سے
آنکھ لڑاتے جی کا ضرر ہے اُن آنکھون کی مستی سے
سوز نہان سے ہون شرر آسا جلنے اور جلانے مین
سو اندیشۂ نیستی اب ہین ایک اس اپنی ہستی سے
کہتی ہے وسعت وحشت دل کی تنگ جگہ مین گھٹنا کیسا
نجد سا جنگل ڈھونڈھ لو کوئی تم بھی نکلکر بستی سے
ظلم جو کرتے ہین وہ سرکش نظرون سے گر جاتے ہین
مل گئی آخر دیکھ اے گردون تیری بلندی پستی سے

زور ہے جولانگاہ جہان مین آرزوان فزاقون کا
دل کا بچانا سہل نہین معشوقون کی چابکدستی سے

۱۸۰

کیا مجھسے پوچھتے ہو کہ کیسا مزاج ہے
دیکھو گے کل نہ یہ بھی جو کچھ رنگ آج ہے

اب مجھکو فائدہ ہو دوا و دعا سے کیا
وہ منھ پہ کہہ گئے یہ مرض لاعلاج ہے

عزت کچھ اور شے ہے نمایش کچھ اور چیز
یون تو یہان خروس کے سر پر بھی تاج ہے

جتنا کیا علاج مرض اور بڑھ گیا
بیمار عشق کا عجب اُلٹا مزاج ہے

جھجکے گلے لگانے مین وہ اجنبی اگر
کہہ دینا آرزو یہ یہان کا رواج ہے

۱۸۱

ہستی اک نیستی کا دھوکا ہے
جانے والے کو کس نے روکا ہے

ناامیدی مین ہچکی آجانا
اک تری یاد کا ٹہوکا ہے

عشق کا جوش حسن کے غمزے
ایک دل پر یہ بار دو کا ہے

حوصلہ ہو تو یہ چھری ہے یہ حلق — آپ کا ہاتھ کس نے روکا ہے
ہمکو بھی تھی یہاں اسی کی تلاش — اجنبی بن کے جس نے ٹوکا ہے
جس سہارے یہ جی رہے ہیں ہم — اک دغا باز کا یہ دھوکا ہے

آرزو جائے کب ہے رہنے کی
انتظار طلب نے روکا ہے

۱۸۲

تسلی میں بھی تخم غم بو دیئے — وہ سمجھاتے سمجھاتے خود رو دیئے
نہ یہ گل سی صورت دکھا کر لبھاؤ — تم ایسوں نے سو داغ مجھکو دیئے
رکا دست ساقی تو آنکھوں نے جام — اِدھر ایک مانگا اُدھر دو دیئے
فغاں اپنے کرے دلِ دردمند — وہ دیتے ہیں طعنے کہ بس رو دیئے

بنے گا بھلا کام کیا آرزو
حواس آپ نے پہلے ہی کھو دیئے

سامان کیئے دن بھر مین ہم اور چھوڑ کے وقت شام چلے
سنسان ہے گھر سونا بستر دُکھ جھیل کے بے آرام چلے

گر جذب محبت مین ہی اثر تڑپا نہ ہمین اے درد جگر
کیون جائین ادھر سے اُٹھ کے اُدھر جب بیٹھے بیٹھے کام چلے

گھر کیا ہے مسافر خانہ ہے گردش مین مدام زمانہ سے ہے
اک روز جہان سے جانا ہے یا صبح چلے یا شام چلے

ہین تاک مین دل کی ناز و ادا پھندا ہی لگائے زلف جُدا
اب دیکھین یہ صید بنے کس کا اور کس کافر کا دام چلے

نقصان نہین کیا مال ہے زر قائم رہے سالم داغ جگر
ہے چیز وہی سب سے بہتر جس سے کہ جہان مین نام چلے

الفت کا نتیجہ موت ہوا کی دوست نے ملکر مجھسے دغا
دل دے کے بڑھاپے چل بھی دیا اب کس سے کہین ناکام چلے

١٨٣

رکھتی ہے قضا جس سے چشمک چھلکے گا نہ وہ ساغر کب تک

آخر تو خلاف ہے دورِ فلک کچھ دیر کو دورِ جام چلے

کیا ہم سے ضعیفوں کی ہستی اور جانے کی تاب عدم ٹھہری

یہ جان لو اک منزل طے کی ہم اُٹھ کے اگر دو گام چلے

ہے آرزو اپنا قول یہی دنیا ہے اور اپنے مطلب کی

ٹکڑا ابھی سینے کلیجے کا ہے وہی جس لخت جگر سے نام چلے

١٨٤

دل لگی کچھ اور ہے دل کا لگانا اور ہے
قولِ دنیا اور ہے باتیں بنانا اور ہے

ہے جگر کو زخم خوردہ دل سے ہمدردی بہت
ہاں اُڑا دینا اسے بھی اک نشانا اور ہے

ہم نے پروانے سے سُن لیں شمع کی دلسوزیاں
جی جلانا اور سمجھانا بجھانا اور ہے

دی نہ دم لینے کی مہلت اس فریبِ شوق نے
سامنے منزل ہے تھوڑی دور جانا اور ہے

آرزو تازے نہ ہوں گے پھر سے اگلے ارتباط
وہ زمانہ اور کچھ تھا یہ زمانا اور ہے

دھواں سا اُٹھا لحد سے میری نکل گئی جب گھٹا برس کے
ہے آتشِ شوق اب بھی باقی کہ مر گیا ہوں ترس ترس کے

ابھی اسیری کی ابتدا ہے اور اُس پہ وہ طرفہ جفا ہے
قفس بھی صیاد کھولتا ہے پروں کو بھی باندھتا ہے کس کے

مدد کر الفت میں تو خدایا ہجوم غم اور میں اکیلا
جنابِ دل کا بھی کیا بھروسا کہ ہو چکے ہیں پرائے بس کے

مریضِ غم کا اُکھڑ چکا دم کہ ہچکیاں آ رہی ہیں پیہم
بجائے دیتے ہیں سازِ ماتم یہ تار ٹوٹے ہوئے نفس کے

حصولِ ذکرِ گزشتگان سے کچھ اپنی کہیے ہماری سنیے
اُکھاڑتے آج کیوں ہیں مُردے گڑے ہوئے سیکڑوں برس کے

یہ کون سا ظلم ہے خدا را چھپائے ہو گیسوئے دل آرا
پڑا ہے یوں ایک غم کا مارا کہ چھوڑ دے جیسے سانپ ڈس کے

۱۸۵

یہین مجھے کل تک کھلے ہوے گل اسی جگہ آشیان بلبل
نشان چمن زار کے ہین بالکل لگے ہوے ڈھیر خار و خس کے

ترس جو صیاد نے نہ کھایا خدا نے پھندے سے یون چھڑایا
اک ایسا جھونکا ہوا کا آیا کہ بند در کھل گئے قفس کے

کیا کیے گو عزیز نالے رکے نہ دنیا سے جانے والے
عدم کے ہین قافلے نرالے کہ آگے جاتے ہین سب جرس کے

سنے ہے ذکر مے آرزو کی عادت عدو سے تو یہ ہین یہ بھی حضرت
کہین نہ کردین خراب نیت پڑے ہوے مدتون کے چسکے

۱۸۶

دل گم ہے سامنے تم کیا چھیر ہو گیا ہے
ہے یون کہ دن دہاڑے اندھیر ہو گیا ہے

تبدیل ہو نہ جب تک بے لذتی ہے لذت
یکرنگی جفا سے دل سیر ہو گیا ہے

جا اور سیہ گھڑی ہے پروانون کے دھوین کی
اک شمع کیا جلی ہے اندھیر ہو گیا ہے

مجبور پا کے بدلا انداز کینہ ور نے
گرگ بغل رہا تھا پہلے اب شیر ہو گیا ہے

آباد دل کا پہلو برباد آرزو تم
اس سیدھے راستے میں کیا پھیر ہو گیا ہے

۱۸۷

ناز بھی خون کا پیاسا ہے نہ یہ جان سکے
بھیس بدلے ہوئے قاتل کو نہ پہچان سکے

تھے وہ گھر سے تری بیگانہ وشی کے پردے
آشنا ہوتے رہے اور نہ پہچان سکے

ہم سے بڑھکر ہے وہ مجبور حیا پابند حجاب
ماننا چاہتا ہوا ورنہ کہا مان سکے

غم کو یوں راز بنایا مری خاموشی نے
جس سے آگاہ تھے تم کچھ نہ کسے جان سکے

آرزو آس ہے کیا شے کہ تہِ بامِ اُمید
دھوپ کی آڑ کو بھی سر پہ نہ کچھ تان سکے

۱۸۸

دشمنِ سامانِ راحت جس صنم کی چاہ ہے
وہ بھی گر چھوٹا تو پھر اللہ ہی اللہ ہے

پردہ پڑتے ہی نظر کا کام کرتا ہے خیال
آنکھ اوجھل ہو تو کیا جب دل سے دل کو راہ ہے

ملتا جاتا ہے پتہ بڑھتا چلا جاتا ہوں میں
کس کا یہ نقشِ قدم چشم و چراغِ راہ ہے

ورنہ اس دنیا مین کس کافر کو حب جاہ ہے	ہو تیرے در کی فقیری تجھ تک آنے کی غرض

آرزو اُسکو حجاب اور ہم کو حسرت دید کی
اس اندھیری رات مین بھی اشتیاق ماہ ہے

۱۸۹

بھروسا تھا کہ وہ عہد وفا سے منھ نہ موڑین گے
خبر کیا تھی کہ نازک ہاتھ یہ زنجیر توڑین گے

نہین معلوم اے یاران عہد زندگی کچھ بھی
ہمین کس کس نے چھوڑا ساتھ ہم کس کس کا چھوڑین گے

ہدایت تو یہ بے فیض کی کرتا ہے کیا واعظ
حب اچھی طرح تر ہولیگا جب دامن نچوڑین گے

کرون بند اس لیے آنکھین کہ خواب آے تو وہ آئین
جو خلوت مین قدم رکھین گے پردہ آپ چھوڑین گے

اسیر عشق جو ہین اُنکو آزادی سے کیا مطلب

سڑی کیا ہین جو سر زندان کی دیوارون سے پھوڑین گے

جگر کے آبلے دیکھے نہین جن چارہ سازون نے

مداوا اُن سے کیا ہوگا پھپھولے دل کے پھوڑین گے

کشش منزل کی بڑھکر تھام لے ہاتھ آرزو ورنہ

تھکین گے پاؤن جن کے کس کے آگے ہاتھ جوڑین گے

۱۹۰

دشمن سے اگر وہ دوست نے شکوہ کوئی نہ اُلہنا ہے

یہ اپنی اپنی قسمت ہے اور اپنا اپنا لہنا ہے

اے شوق خیالِ ننگ نہ کر اُس شوخ نگہ سے شرم گئی

دے تو بھی گریبان کو جھٹکا خنجر قاتل کا پہنا ہے

کہتی ہے وفا کی پابندی اُترے نہ گلے سے یہ مر کے بھی

قمری کی طرح اے سرو سہی جو طوق غلامی پہنا ہے

یہ دشت نوردی کا لپکا کچھ حلقۂ آہن سے ہے سوا

اے پاؤن کی بیڑی تو ہی بتا اس قید مین کبتک رہنا ہے

لو دے نہ اگر سوزِ نہان اے شمع ہلاؤن خاک زبان
کہنا ہے جو کچھ او سوختہ جان تیری ہی زبان مین کہنا ہے

اے گریۂ حسرت پھر خدا را سو رہنا دے آنکھون کو
ہے دل مین لہو تو اک چلّو اور برسون بہنا ہے

صحراے جنون مین سو خلعت اس گرد کی چادر کے صدقے
جس پر بہو دستِ وحشت اب ہم نے وہ جامہ پہنا ہے

اُکتا کے مری خاموشی سے کچھ بول ہی اُٹھیگا وہ بُت
ہان لب ابھی ہلنے پائین اے ضبطِ فغان کیا کہنا ہے

اک جامۂ بوسیدہ ہستی اور روح ازل سے سودائی
یہ تنگ لباس یون چڑھتا خود پھاڑ کے ہم نے پہنا ہے

ہچکی مین جو اُکھڑی سانس اپنی گھبرا کے پکاری یادِ کسی
پھر جوڑ لے یہ ٹوٹا رشتہ اک جھٹکا اور بھی سہنا ہے

۱۹۰

دل لیکے جمالِ ہوش رُبا گُم کردے حواس کہ ہم کو تو
آزادیٔ شوق بھی مدِّ نظر پابندِ وفا بھی رہنا ہے

اب ہجر میں جو سانس آتی ہے اک نغمۂ دردسناتی ہے
دل ہے یہ فغاں کش پہلو میں یا بجتی ہوئی اک شہنا ہے

کیا آرزو اسکی ساخت بھی ہے معشوق نواز و عاشق کش
ہے قید جنون جو طوق یہاں ہو اُن کے گلے میں تو گہنا ہے

۱۹۱

دل میں ہی شعلہ فشاں عشق بدن جلتا ہے
بس بس اے آتشِ گُل بس کہ چمن جلتا ہے

اشک دیتے ہیں تسکین کو دو اک چھینٹے
دل جو غربت میں ہے ہم یادِ وطن جلتا ہے

قید کمزور ہے اور قید کی مدت ہے دراز
لاؤ زنجیر کہ اب بندِ رسن جلتا ہے

ہے اثر ایک ہی سا اشک کہیں یا نالے
شعلے آنکھوں سے نکلتے ہیں بدن جلتا ہے

دل سے لُو کا وہ اُٹھا آج کہ دیئے نہ بجھانا
اب لگی آگ بس اب خانۂ تن جلتا ہے

راکھ میں آگ ہے یا قبر میں اک سوختہ تن
نہ دھواں ہوتا ہے پیدا نہ کفن جلتا ہے

آرزو دیکھیئے کیونکر ہو میسر صحت
تپ فرقت سے شب و روز بدن جلتا ہے

۱۹۲

وہی اچھے رہے جو آج تک چپ رہ کے پچھتائے
جو سچ پوچھو تو اُن سے راز دل ہم کہہ کے پچھتائے

نتیجہ ایک ہی نکلا کہ تھی قسمت مین ناکامی
کبھی کچھ کہہ کے پچھتائے کبھی چپ رہ کے پچھتائے

نہ دامانِ اثر دیکھا نہ راہ و اپسی پائی
اب آنسو پانی پانی ہین کہ ہم تو بہ کے پچھتائے

نہین لیسے سڑی ہم یہ غرض کا باؤلا پن ہے
کہا پھر بھی وہی سو مرتبہ جو کہہ کے پچھتائے

مآل اے آرزو پہلے نہ سوچے چوٹ کھانے کا
یہ اقرار حماقت ہے کہ ایذا سہہ کے پچھتائے

۱۹۳

درد گھٹنے سے خلل آہ کی تاثیر مین ہے
پہلے معلوم نہ تھا زور کمان تیر مین ہے

قطرۂ خون جسے طوفانِ تمنا کہئے
اب مرے دل مین نہین ہی تو ترے تیر مین ہے

وہ پریشانیٔ خاطر کہ جسے لکھ نہ سکے
شرح اُس کی اسی بے ربطیٔ تحریر مین ہے

عمر بھر ہجر رہے پھر بھی نتیجہ ہے وصال
مجکو معلوم ہے جو کچھ مری تقدیر مین ہے

اس کی تقدیر مین تھے سیکڑون جھٹکے لکھے
جتنا لوہا مری ٹوٹی ہوئی زنجیر مین ہے

قید کچھ بڑھ گئی ہے کوشش آزادی سے
ہاتھ بھی اُلجھا ہوا پاؤن کی زنجیر مین ہے

ہائے قاتل وہ زمانہ کہ کلیجے پہ ہے نقش
اب وہ تجھ مین بھی کہان جو تری تصویر مین ہے

آرزو پاؤن مین مثل سرِ فرہاد فگار
کیا اُسی تیشہ کا لوہا مری زنجیر مین ہے

۱۹۴

اخفائے غم بھی ہے عبث اظہار بھی بیکار ہے
اک زخم دل مین پڑ چکا اور وہ بھی دامن دار ہے

ان گیسوون کی لہر سے ان انکھڑیون کے زہر سے
سنبل کی حالت زار ہے نرگس ہے سو بیمار ہے
بچ ورنہ دھوکا کھائے گا ذب جائے گا پس جائے گا
سایہ بھی بدکردار کا گرتی ہوئی دیوار ہے
اس قول مین شک ہو جسے وہ ہم کو تم کو دیکھ لے
جو خود نہین آزار کش وہ پھر عزیب آزار ہے
جس طرح چاہے بے خبر شام جوانی کر بسر
تا صبح سوا اینڈ اینڈ کر قسمت ابھی بیدار ہے
تا قبر لے جاؤن گا مین اک داغ حسرت دہر سے
تاریک گھر کے واسطے کچھ روشنی درکار ہے

اسرارِ نیرنگ چمن گر ہون نظر مین آرزو
ہر پنکھڑی اک پھول ہے ہر پھول اک گلزار ہے

کس شمع کی یہ ہوا لگی ہے — لو دل کو سوِ خدا لگی ہے

پھرتی ہے نسیم کیون دم سرد — کیا اس کو بھی کچھ ہوا لگی ہے

تھی شام سے صبح تک سوے در — اب چھت سے نگاہ جا لگی ہے

سو روگ ہین ایک عاشقی مین — یہ جی کو بری بلا لگی ہے

آنسو جو تھما تو ہوگا دیدار — کشتی ساحل پر آ لگی ہے

راحت کی بھی ابتدا ہے تکلیف — زخمون مین غضب دوا لگی ہے

جس دن سے ملا ہے شربت دید — پیاس اور مجھے سوا لگی ہے

اے سانس نہ آ کہ دل مین ہے زخم — ٹیس اٹھی ہے جب ہوا لگی ہے

مرتا ہون شب فراق بے موت — اپنی مجھے بد دعا لگی ہے

لگتی نہین آنکھ آرزو کیون
آخر کہین آنکھ کیا لگی ہے

۱۹۶

آپ کا انتظار کون کرے
زیست کا اعتبار کون کرے

تاب نظارۂ جمال نہین
شوق بوس و کنار کون کرے

بخیۂ چاک جیب سہل سہی
جمع ایک ایک تار کون کرے

ہاتھ بیچین ہے گریبان پاس
انتظار بہار کون کرے

بن کے اس عاشقی مین غم و مختار
بے بسی اختیار کون کرے

غم دل ہی سے جب نہین فرصت
تو غم روزگار کون کرے

وقت خود نیک و بد کا آئنہ ہے
سوچ مین دن شمار کون کرے

جسم بے جان ہے آرزو خود قبر
آرزوے مزار کون کرے

۱۹۷

پیری بنی جوانی ایسون کے داغ دیکھے
بجھتے سحر سے پہلے کیا کیا چراغ دیکھے

کیا دے رہی ہے دھوکا تو ہم کو اے جوانی
تو نے لگائے جو جو مٹتے وہ باغ دیکھے

سنتا ہی کان دھر کے فریاد کون کس کی
یا نا شنو جہان مین یا بد دماغ دیکھے

جن کی بنا خزان ہو ایسی بھی ہین بہارین
آنکھون نے گل بھی ہوتے اکثر چراغ دیکھے

پایا نہ دور ایسا جس مین کہ ہو تسلسل
بزم جہان مین چلتے اکثر ایاغ دیکھے

سو شہان کے چھپنے کا اب تک ہے دل کو پایہ
ہوتے ہین خوشنما جو ایسے بھی داغ دیکھے

جو باعثِ خزان ہین اپنی آپ ہی خزان ہین
یہ فراغ دل سلامت ایسے بھی باغ دیکھے

بیخود ہوئے تو پہونچے خود گم ہوئے تو پایا
کھوئے ہوؤن کے ملتے یون بھی سراغ دیکھے

پوچھ آرزو کے دل سے مرگ شباب کا غم
جس نے بھڑک کے بجھتے لاکھون چراغ دیکھے

۱۹۸

تلوار کی ہے آنچ تو ٹکرا کے بھی ضو دے
جب نے خم ادا ہے کہ عوض خون کے بو دے

بجلی نہین گرتی ہی تو دیتے ہین خود آگ
گلزار جوانی کے پنپتے ہوئے پودے

مین ہو چکا پابستۂ زنجیر توکل
دینا ہے تو اے شانِ کرم بے تگ و دو دے

جلدی نہ کرا دست طلب مثل زلیخا
ہوتے ہین نئے پردہ نشینون کے بھی کہین سودے

۱ یہ شعر غزل سے علٰحدہ سمجھنا چاہیے ۱۲ آرزو

اے شمع دبی آگ ابھر آئی تو کیا لطف | اسطرح جلے دل کہ نہ بو آئے نہ کو دے

ہے آرزو اپنی یہی تسبیح تجارت
دے نام پر اُسکے جو عوض ایک کے سو دے

۱۹۹

آتا عہد جوانی تھم نادان بیوقت کمر کیون کستا ہے
ہستی سے عدم کے ڈانڈے تک اک رات بسے کا رستا ہے

کیا شان بنائی الفت نے صورت پہ جنون برستا ہے
آتا تھا ترس پہلے جس کو منھ پھیر کے وہ بھی ہنستا ہے

جاگی ہوئی آنکھون نے اپنی نیرنگ جہان کا دیکھ لیا
کل تک تو یوہین سی سُرخی تھی اب لیکن خون برستا ہے

رہرو جو عدم کا کوئی ملا یہ ٹوک کے اُس سے پوچھینگے
سب جاتے ہین آنکھین بند کیے کیا جاتا بوجھا رستا ہے

پابندی غم جو رُلاتی ہے وہ زلف سوا یاد آتی ہے

۱۹۸

ہے دل کا تعلق بند رسن جو بھیگ کے خود ہی کستا ہے

باطن مین گذرتی ہے جو کچھ ظاہر پاتا ہون خلاف اُس کے

الفت مین سراپا زخم ہے دل کھسیانی ہنسی ہنستا ہے

وہ زور تھا جوشِ وحشت کا یہ حال ہے اپنی طاقت کا

یا توڑتے تھے قیدِ آہن یا ہاتھ اُٹھنے کو ترستا ہے

لو گرم ہوائین آہون کی کچھ اپنے ہی حق مین زہر ہوئین

اب حال ہے یہ نازک دل کا جیسے کوئی پھول پکستا ہے

بے طے کیے قیمت دل لیکر قول آرزو اُن نے نفون کا سنا

بازار مین حسن و خوبی کے سودے محبت سستا ہے

۲۰۰

یا دل کی طرح کمزورون پر غصہ مین جو کوئی گرجتا ہے

انجام جفا کہتا ہے کہ سُن نقارۂ رحلت بجتا ہے

کہتی ہے یہ ناہموار لحد سامان یہان کا بھی کچھ ہے

خوش ہو کے جو عالی طبع کوئی خلوت کدہ اپنا سمجھتا ہے

جب کچھ نہ کسی سے کام رہا پھر آرزو اک تو ہی تو ہے
ہے جسکو مزہ یکسوئی کا وہ دونون جہان کو تجتا ہے

تھی گرم جو تیغ رشک عدو چرکون پہ چرکے کھا کے اُٹھے
دل جلنے لگا شعلہ سا اُٹھا بیٹھا نہ گیا تھرّا کے اُٹھے

یہ کان مین کس کی صدا آئی کیا سوتی ہوئی قسمت جاگی
ملتے ہوئے آنکھون کو اپنی بستر سے جو ہم گھبرا کے اُٹھے

باتون سے تسلّی تھی دل کو وعدہ پہ بھروسا ہو نہ سکا
پھر ہو گئی ویسی ہی حالت جب پاس سے وہ سمجھا کے اُٹھے

او عہد شکن ہم جانتے تھے سب آتے ہین وعدے کے سچے
جی اوب گیا بیٹھے بیٹھے گھبرا کے چلے اُکتا کے اُٹھے

طے ضعف مین جب کی راہ وفا ہر گام پہ غصہ آتا تھا
آنسو کی طرح تیورا کے گرے شعلے کی طرح تھرّا کے اُٹھے

ہر مرتبہ تم کی عدو کے قسم اب عہد کرینگے تم سے نہ ہم
چڑکے دیے جاتے ہو ہم پھر کہتے ہو کیون جھلا کے اُٹھے

کیا آرزو ایسا طرزِ عمل جو ڈال دے پا مردی مین خلل
لو بیٹھے تھے زانو توڑ کے کل پھر آج سہارا پا کے اُٹھے

۲۰۱

رونے بھی نہ اُس دل کو جسے چھین لیا ہے
آنکھون پہ بھی کیا قصد حکومت کا کیا ہے

کم نشۂ مے سے نہین غصہ کا بھی یہ کیفیت
بادہ کی طرح خونِ جگر مین نے پیا ہے

اب حال جنون مجھکو چھپایا نہین بھی ہی شرم
کیا جانیے کس کس نے گریبان سیا ہے

کس آس پہ ہو زیست جو ناکام پھرے آہ
اس تیر کا مارا کہین دم بھر بھی جیا ہے

بیدل ہمین سب کہنے لگے اور انھین دلدار
حالانکہ ابھی کچھ نہ دیا ہے نہ لیا ہے

ہر شے سے ہے پرہیز بجز شربت دیدار
جو تم نے پلایا تھا وہی زہر پیا ہے

مٹنے پہ مری خاک سے اُٹھتے ہین بگولے
تقدیر کے چکر نے بھی کیا ساتھ دیا ہے

اے آرزو اب اُس سے شکایت کا ہے کیا حق
اقرارِ وفا آپنے خود جس سے کیا ہے

۲۰۳

جلدی سے تری قاصد تحریر بگڑتی ہے
تدبیر کی تیزی پر تقدیر بگڑتی ہے

اس نیم نگاہی سے تھوڑا نہو دل دیکھو
جادو بھری آنکھوں مین تاثیر بگڑتی ہے

خط لکھنے مین ڈر کیسا ڈرہی تو لکھین خط کیون
جب ہاتھ لرزتا ہی تحریر بگڑتی ہے

بیچینیون سے دل کی رخ پر شکنین آکر
کھنچتا ہے نیا خاکہ تصویر بگڑتی ہے

اے آرزو غمگین ہے نقش فنا پیری
ہو جاتی ہے جب کہنہ تعمیر بگڑتی ہے

۲۰۴

دل کا لگانا اس دُنیا سے پورا دھوکا کھانا ہے
آئے تھے کیون کیا کر کے چلے یہ رونا اور پچھتانا ہے

شاد رہے ناشاد رہے آباد رہے برباد رہے
شادی و غم دو دن کے ہین سب آخر تو جہان سے جانا ہے

دل کی اُمنگین بڑھتے بڑھتے شعلۂ سرکش بن بیٹھین

دیدۂ تر سے لے کر پانی جلتی آگ بجھانا ہے

اپنی ہستی کی یہ نمایش ایک بگولہ ہے گویا

خاک ہی سے پیدا بھی ہوے پھر خاک ہی مین ملجانا ہے

تارِ نفس اتنے بھی نہین ہین جن سے کفن ہی بن جائے

جان اسے مکڑی کا جالا دھوکے کا تانا بانا ہے

حسن ہے اک فانوسی شیشہ اچھی صورت والون کا

ہے وہ یہی ہلکا سا پردہ جس مین تجھے پہچانا ہے

باندھ کمر لے راہ مسافر گھر نہ سمجھ اس منزل کو

اور بھی ہین کچھ آنے والے جن کو یہین ٹھہرانا ہے

سامنے اہلِ دنیا کے کیا کھولین نصیحت کا دفتر

آرزو اپنے نادان دل کو پہلے ہمین سمجھانا ہے

۲۰۵

غم جس کا پیامِ موت ہوا اُس کو بھی تو شکل دکھانا ہے

اے موت نہ کر اتنی جلدی کیا پھر بھی پلٹ کر آنا ہے

دانا تو وہ ہے بیشک جس نے دنیا کو بہت کچھ جانا ہے

نادان سے مگر یہ تو پوچھو اپنے کو بھی پہچانا ہے

اپنے کو نہ پہچانا جس نے وہ اور کو کیا پہچانے گا

دعویٰ جو کرے نادانی کا سمجھو کہ وہی اک دانا ہے

سمجھا ہے جسے تو نادانی ہے ایک شے ہی تو دانائی

جس نے بھی اُسے پہچانا ہے انجان ہی بن کر جانا ہے

کچھ ساتھ نہ لے کر آئے تھے ہمراہ نہ کچھ لے جائیں گے

جس طرح کا آنا تھا اپنا ویسا ہی یہاں سے جانا ہے

کیا عشق مین تھے اپنے ہی لیے سب سرد و گرم زمانے کے

آنکھیں ہین کہ تو دو جلتی سوتین دل ہے کہ آتشخانہ ہے

اے آرزو مغموم و حزین کس کام کے تاج و تخت و نگین

دو گز ہے کفن دو گز ہے زمین بس اور نہین کچھ پانا ہے

۲۰۶

زندگی کیا چیز ہے اک غم کو دل سے راہ ہے
دل میں جب تک غم بسا ہے جو نفس ہے آہ ہے

عشق سے وابستۂ جان جان لیکن تا بہ کے
ہے تو کچھ مضبوط یہ رشتہ مگر کوتاہ ہے

غم دیا اُس بُت نے جب سے دین و دنیا مل گئے
اب تو لب پر رات دن اللہ ہی اللہ ہے

ذرّہ ذرّہ آج لَو دینے میں ہے شمع جمال
منظرِ دلکش بھی ہے وہ دل کہ عبرتگاہ ہے

خود سنبھل جاتا ہے رہرو کھا کے ٹھوکر آرزو
رہنماے راہ بھی وہ ہے جو سنگِ راہ ہے

۲۰۷

دو آنکھیں ہیں یا اک دل ان کا بھی یہ نقشہ ہے

وہ رِستے ہوئے ساغر شیشہ یہ شکستہ ہے

ہر گام ترقی میں خطرہ ہے تنزل کا

خود لغزشِ نومیدی ٹوٹا ہوا زینہ ہے

کرتا ہے کوئی نالہ گر پڑتے ہیں اشک اپنے

کھائی ہیں کڑی چوٹیں دل درد رسیدہ ہے

یہ سنتے ہی جھلا کر باہر تھا وہ پردہ کے

کچھ ہے بھی پسِ پردہ یا پردہ ہی پردہ ہے

اے غیرتِ رسوائی پہچانے گا کیا کوئی

کل اور ہی صورت تھی آج اور ہی نقشہ ہے

دل کھائے ہوئے چوٹیں اور جوش محبّت کا

ہے تُندیِ مئے گلگون چٹکا ہوا شیشہ ہے

سکتے میں اطبّا ہیں ساکت ہے دل نالان

اک تیسری حالت ہے زندہ ہے نہ مردہ ہے

متوالی وہ آنکھیں ہیں دو توبہ شکن ساغر
پھر اُس پہ اشارے بھی بس توبہ ہی توبہ ہے

اے آرزو اب سرکو اس جادۂ ہستی سے
ہر سانس میں اُلجھن ہے ہر گام پہ خطرہ ہے

۲۰۸

اشک کے ہر قطرہ سے ہے ممکن جتنا سہارا چاہیئے ہے
دانہ کا دانہ پانی کا پانی اور رکھو کیا چاہیئے ہے
بھولی صورت ناز و نزاکت سب ہے خدا کا دیا موجود
کہتی ہے قتال نظر اک مرنے والا چاہیئے ہے
قیدیوں پر مدت سے کھلے ہیں آنکھوں کے دو دروازے
جسم میں اب اے خونِ حسرت دورا کرنا چاہیئے ہے
ترسی نظریں موقع پا کر ہوتی ہیں گستاخ بہت
چلمن اُٹھ جانے پہ بھی کچھ دن آنکھ کا پردا چاہیئے ہے

چھوٹتے ہی دامانِ قناعت بڑھنے لگا سودائے ہوس
ترک ہوئی جب گوشہ نشینی پھر تو صحرا چاہیئے ہے
شرم کے پتلے چھیڑنے پر بھی کھلتے کھلتے کھلتے ہین
دل ہے ابھی سے بے قابو اور اس کو زمانا چاہیئے ہے
ایذا جس دن حد سے گزری خود راحت ہو جائے گی
درد ابھی تک اُس سے کم ہے جتنا بڑھنا چاہیئے ہے
کم ہو ضرورت سے گر اطلس گرد کی چادر کیا ہے بُری
پاؤن فراغت سے پھیلا لین دامن اتنا چاہیئے ہے
خاموشی نے پھیرا اُرخ پر غازہ دل کے تغیر کا
راز چھپانے والے اب تو سب سے پردا چاہیئے ہے

آرزو اُن کی ایسی باتین رہنے نہ دین گی دنیا مین
تجھکو عدم کے کوچ کا آخر سامان کیا کیا چاہیئے ہے

۲۰۹

نہین ہے داغ بدل کون داغ سے میرے
ہے سب گھرون مین اُجالا چراغ سے میرے
شراب تند ہے الفت تو دل ہے عالی ظرف
چھلک کے گر نہین سکتی ایاغ سے میرے
چراغ داغ کی ہین گلفشانیان بے فیض
کسی کو لطف ہو کیا خانہ باغ سے میرے
مآل سوز محبت کا ہے سبق آموز
بہت چراغ جلین گے چراغ سے میرے

اب آرزو وہ کہان خاک کے ہین گھروندے
مراد کیا ہے تمھاری سراغ سے میرے

۲۱۰

بچنے کے طریقے یاد نہین بس دل کا کھونا آتا ہے

مشکل مین نہین جب بن پڑتی مُنھ ڈھانک کے رونا آتا ہے

اے گریۂ غم یہ بے اثری بجھتی نہین تجھ سے دل کی لگی
آنکھون کا سوجانا آتا ہے دامن کا بھگونا آتا ہے

کس طرح کٹے گی پہاڑ سی شب کیا ہونا ہے آخر یارب
آنکھون سے نہ جاگا جاتا ہے اب نہ اکیلے سونا آتا ہے

حالت مین امید و بیم کی بھی اک لاگ ہے برق و سحاب ایسی
روتا ہون تو آجاتی ہے ہنسی ہنستا ہون تو رونا آتا ہے

اے آرزو اُن سے ذرا کہہ دو گیسو کی دل آویزی دیکھو
مانند اشک و مژہ جن کو موتی کا پرونا آتا ہے

۲۱۱

جاتے کسی کے آگے کیون سر حالت دل کو لیئے
اپنا دہن تھا ہنس لیے اپنی تھین آنکھین رو لیئے

بخشا جو دل کے نام سے آشوب ہستی ہے یہ شئے

جاؤن الٰہی کس طرف پہلو مین آفت کو لیے

جو گفتگو کی بات ہے طے ہو گی تصویرون سے کیا
یا ہم کو کہنے دیجیے یا آپ ہی کچھ بولیے

اچھا ہو باطن یا نہو اس ظاہری برتاؤ کا
اب تو زمینِ شوق مین ناقص ہی دانے بولیے

ہے رات اپنی آرزو جس طرح چاہے ہو بسر
اب جاگ لین گے تا سحر سونا تھا جتنا سو لیے

۲۱۲

دیتے ہین جان تم پر مرنے سے کیا ڈرین گے
اب تک یہی کیا ہے اب پھر یہی کرین گے

گر ناز جانستان ہی ہم کیون ہون دل شکستہ
مرنا جنھین ہو گا وہ اور پر مرین گے

جو یہ سمجھ چکا ہے وہ کیون نہ دل جلائے
نالے نہین کرین گے آہین نہین کرین گے

ہو جس جگہ میسر ہے قبر پہلی منزل
جس راہ چل چکے ہین اُس سے نہین پھرین گے

بڑھتی ہی اور اس سے شانِ نیازمندی
سو بار تم ہٹا دو ہم سر یہین دھرین گے

اُن کو وفا پہ غصہ اور آسرا یہ ہم کو
ہر شے کی ایک حد ہے کب تک جفا کرینگے

شبنم کے آنسو دن پر کیا ہنس رہے ہیں غنچے
اُن سے تو کوئی پوچھے کب تک ہنسا کرینگے

اب ناز اُن کے بیجا یا آرزو بجا ہون
دل تو پھنسا چکے ہین جھگڑون سے کیا ڈرینگے

۲۱۳

آخر نہ چھپا درد نہان ظاہر اثر بے خوابی ہے۔
چہرے پہ ہے زردی چھائی ہوئی آنکھوں کا رنگ گلابی ہے
پڑھ لین گے جو کچھ لکھا ہوگا لکھ دینگے جو کچھ لکھنا ہوگا
نامہ جب اُنھین دینا قاصد یہ کہدینا کہ جوابی ہے
وارفتہ مزاجی سے دل کی خالی ہوا آخر پہلو بھی
گھر جب سے چھڑایا الفت نے ہر طرح کی خانہ خرابی ہے
اُس آنکھ سے ربطِ دل شیدا اک کھیل ہے لڑکون کا گویا
کیا اس کی قسم کیا قول اُس کا یہ دیوانہ وہ شرابی ہے

کیا فائدہ پژمردہ دل کو اشکون کی تری پہونچائے گی
اس پھول کو مرجھایا سمجھو سب دیکھنے کی شادابی ہے

اُف کشمکش درد دل دکھ ہونے لگے دُکھ مین پیدا
غم دل کو ہے جس بے خوابی کا غم ہی سے تو یہ بیخوابی ہے

اے ضبط محبت تو نے تو دل پانی کر کے بہا ڈالا
رُکتی ہے یہ اب کس کے روکے موجون مین جو اک بیتابی ہے

خم اُس کے ہین میخانہ اُس کا سب جلسہ ندانہ اُس کا
منھ تکتا ہے پیمانہ اُس کا قبضہ مین جس کے گلابی ہے

اے آرزو اپنے مرنے سے بازار محبت سرد ہوا
تھی جس کی نہایت ارزانی اُس جنس کی اب نایابی ہے

۲۱۴

مرا شباب ہے اور زور چرخ پیر کا ہے
لرز رہا ہون کہ خوف اس کمان سے تیر کا ہے

نمود آرزو دل کے لیے کوئی عہد شرط نہین
یہان تو ایک ہی نقشہ جوان و پیر کا ہے

رہا ہوئے یہ بھی پابندیِ وفا نہ گئی
ابھی تو بیڑیوں ہی میں قدم اسیر کا ہے

تمھاری طرح نہیں اس کو عادت انکار
غریب دل ہے مگر حوصلہ امیر کا ہے

نظامِ کشورِ دل ہے دماغ کا پابند
مطیع شاہ اسی ملک میں وزیر کا ہے

کسی طرف ہو رخ اُن کا پڑیگا دل ہی میں زخم
بندھا ہوا یہ نشانہ نگہ کے تیر کا ہے

فقط یہ حسن سماعت ہے آرزو اُن کا
جو کہتے ہیں کہ یہ انداز خاص میر کا ہے

۲۱۵

مجھے دے بیٹھے وہ دل تک نہ تھا جو کام کا تیرے
بس اب اک داغ باقی ہے سو وہ بھی نام کا تیرے

نہ جانے جو وہ کیا پہونچے نہ پہونچے جو وہ کیا جانے
لگا ہے دل سے اک پوشیدہ زینہ بام کا تیرے

مجھے دکھلا کے پھینکا اُس نے یہ کہکر مرے دل کو
کہ یہ ٹوٹا ہوا شیشہ رہا کس کام کا تیرے

زبان مین ہے اثر لیکن فغان منھ سے نہ نکلے گی
کہ مین دشمن نہین تیری طرح آرام کا تیرے

پڑھا کعبہ مین بھی کلمہ بتون کا آرزو تو نے
ٹھکانا کیا اب اے مردِ خدا اسلام کا تیرے

۲۱۶

کیا سوزِ محبت مین جفا ضبط نے کی ہے — در بند ہے اور چار طرف آگ لگی ہے
دل جل گیا موجود مگر دل کی لگی ہے — اس خاک کے تودے مین ابھی آگ دبی ہے
اس شان سے پہونچا ہون کہ پہچاننے والا — منھ دیکھ کے بھی کہہ نہین سکتا یہ وہی ہے
اقرارِ وفا لے کے جفا کا ہوا آغاز — اب کہہ نہین سکتا کہ مرے غم پہ بنی ہے
کیا وہ ہے کہ جس چیز نے بیگانہ بنایا — ہر چند کہ مین بھی ہون وہی تو بھی وہی ہے
یہ دم بخودی عشق کا طبعی ہے مداوا — اک پھانس سی کھٹکی ہے کبھی سانس چلی ہے
جائے گی خموشی نہ ترے سوختہ جان کی — شعلہ کی زبان سے کبھی فریاد سنی ہے
ٹھنڈی بھی ہوا اس کو شگفتہ نہین کرتی — دل کا ہے کو پہلو مین ہے پژمردہ کلی ہے

اے وحشت پیری نہ جگا وقت سے پہلے
بچھلا ہے پہر نیند ابھی آنکھون مین بھری ہے

پھونکا ہے زمانہ کو ترے شعلۂ رخ نے
ہر سمت یہی غل ہے کہ اُف آگ لگی ہے

تھکوا دیا خون آرزو اُس کی خلشون نے
اب دل نہ کہو سینے مین ہیرے کی کنی ہے

۲۱۷

دل سے جو گھاؤ سا جگر تک ہے
نگہِ لطف چارہ گر تک ہے

ہین وہ دو چشم زخم جن کا سرا
ایک دل تک ہے اک جگر تک ہے

نگہ تند اور چارۂ زخم
زہر آلودہ نیشتر تک ہے

راز مضمون کا بند خط مین نہان
راز نامہ کا نامہ بر تک ہے

نگہِ یاس فرشِ راہ اُمید
میرے بستر سے اُس کے در تک ہے

تیر پہ تیر کھانے کی ہمت
ہے مگر ہان اسی نظر تک ہے

قطرۂ خون ہے آرزو ہر اشک
آنکھ سے گھاؤ اک جگر تک ہے

پھوٹ کر آنکھین سرشکِ غم فزا پیدا ہوے
دو حباب اس بحر کے ٹوٹے تو دو دریا ہوے
شمع گو معشوق ہے پروانہ عاشق ہے مگر
واے قسمت دونون جلنے کے لیے پیدا ہوے
سے چلی ہے دل کو بھی پہلے سے ازخود رفتگی
المدد اے مجمع مسرت کہ ہم تنہا ہوے
باب میخانہ ادھر تھا باب رحمت اُس طرف
ابر اُٹھا دونون دروازے برابر وا ہوے
حسن اُن کا ضو فگن ہے شمع فانوسی کی طرح
جتنے پردون مین چھپے وہ اور بے پردا ہوے
پائی کس گوشہ مین دنیا کے بکھیڑون سے نجات
لاکھ اندیشون نے گھیرا ہم جہان تنہا ہوے

پائی کس گوشہ مین دنیا کے بکھیڑون سے نجات
لاکھ اندیشون نے گھیرا ہم جہان تنہا ہوے

ہے ہواے بیخودی مین اب بھی دیوانون کی خاک
بونڈلے جتنے اُٹھے راہی سوے صحرا ہوے

حُسن جب ہو عارضی پھر عشق کیون ہو پائدار
شمع ہے خاموش کیا پوچھے پتنگے کیا ہوے

آرزو نخل تمنا بو کے پھل پایا نہ کچھ
بعد مدت چند دانے اشک کے پیدا ہوے

۲۱۹

جو اُس نے بیچ سے پردے اُٹھا دیے ہوتے
تو ہم نے جیب کے پُرزے اُڑا دیے ہوتے

نہ تم سے ترک تعلق کی بھی ہوئی تکمیل
جگر سے داغ تو اپنے مٹا دیے ہوتے

چراغ میرے دمِ سردکے بجھائے ہوے
وہ بات کیا تھی تمھین نے جلا دیے ہوتے
نہ کچھ بھی کی ترے دامن نے ہمت افزائی
ابھی تو آنکھون نے دریا بہا دیے ہوتے

بت اور ندامتِ جور آرزو کدھر ہے خیال
ہزار ہوتے جو کعبے تو ڈھا دیے ہوتے

۲۲۰

بقا کی شکل نہ نکلی کسی قرینے سے
وہ بے نشان ہون کہ نام اُڑ گیا نگینے سے
خبر مآل کی دیتی ہے ابتدائے شباب
بڑھا ہے دل کی طرف درد اُٹھ کے سینے سے
چھُٹے جو تم سے زمانہ کو ہم نے یون چھوڑا
کہ چاند تک نہین دیکھا کئی مہینے سے

ہوا ہے حال اثرِ سوزِ عشق سے نازک
کہ شکلِ آبلہ ملتی ہے آبگینے سے

خوشی کہان کی بڑھانا تھا اُن کو دردِ فراق
الگ ہوسے دمِ رخصت لپٹ کے سینے سے

نگاہ سے لیے جاتے ہین چٹکیان دل مین
زبان پہ یہ ہے کہ بیٹھے رہو قرینے سے

ہوئی ہین اتنی تمنائین ضبطِ عشق مین خون
کہ بو لہو کی اب آنے لگی پسینے سے

یہ دل کا جوش ڈبوئیگا آرزو اک روز
اُٹھے گا نوحؑ کا طوفان اِسی سفینے سے

۲۲۱

فقر مین شانِ کبریائی ہے
کچھ نہین ہے تو بادشاہی ہے

شوق وہ جس مین سیکڑون خلشین
خار ہین اور برہنہ پائی ہے

۲۲۰

داد بیداد دیتا جا ظالم — تیرے ہی نام کی دہائی ہے
ناشناسی میں تو نہ مجھے یہ ظلم — کیا کوئی جرم آشنائی ہے
بیم و امید کی ہے شان جدا — نہ اسیری نہ اب رہائی ہے
تم نہ چپ ہو خموش پا کے مجھے — کچھ نہیں بات اک بنائی ہے

آرزو درد کم نہیں ہوتا
کیا کڑی چوٹ دل پہ کھائی ہے

۲۲۲

اس دل سے خدا سمجھے جس نے ہمیں مارا ہے
جو دشمن جانی ہے وہ جان سے پیارا ہے
کہنے کے نہیں قابل جو حال ہمارا ہے
اب بات کا سمجھانا گونگے کا اشارا ہے
راحت ہو کہ بے چینی دونوں میں ہے اک لذت
جو تم کو گوارا ہے وہ ہم کو گوارا ہے

جو بچ گئے وہ ڈوبے جو ڈوبے وہ پار اُترے

ساحل پہ یہاں دھارا دھارے پہ کنارا ہے

چونک اُٹھی ہے اک دُنیا چیخ اُٹھا ہر اک عالم

گھبرا کے اکیلے میں جب اُس کو پکارا ہے

نظروں میں لگاوٹ بھی چتون میں رکاوٹ بھی

قاتل کی دورنگی نے جی سے مجھے مارا ہے

اُترا ہے جو اوروں پر غصّہ مری جانب کا

میٹھا ہے وہ دل بھاتا ہے جس جس نے اُبھارا ہے

جانکاہی فرقت سے ہونی ہے نجات اک دن

مرنا جسے کہتے ہیں جینے کا سہارا ہے

نوح ایسے بھی گو ڈوبے اس بحر محبت میں

لیکن نہ پتہ پایا کس سمت کنارا ہے

منظور نہیں بدلہ ہاں داد کے خواہاں ہیں

نام اُس کا نہ ہم لین گے جس نے ہمین مارا ہے
ہر تار سے وابستہ پاتا ہون رگِ جان کو
کس طرح ستمگر نے گیسو کو سنوارا ہے
دن کیون نہ کٹین پھر کر صحرائے محبت مین
چکّر ہے مقدر کو گردش مین ستارا ہے

چکھے ہے جو سرد و گرم اسے آرزو الفت کا
جم جانے مین وہ یخ ہے اُڑ جانے مین پارا ہے

۲۲۳

اک منتظرِ وعدہ جا کر کہین کیا بیٹھے
گھبرایا جو دل گھر مین دروازے پر آ بیٹھے
آنکھون مین جو پھرتے تھے تو دل مین وہ آ بیٹھے
آخر بتِ زاہد کش کعبہ ہی مین جا بیٹھے
پابند رضا ہین ہم دین جان تو کیونکر دین

تلوار اُنھین دیکر خود ہاتھ کٹا بیٹھے

انگڑائیان آتی ہین اے شوق ہم آغوشی
لے تیرے تصور سے ہم ہاتھ اُٹھا بیٹھے

اک اپنے فغان کش سے اللہ یہ بیدردی
سب کہتے رہے ہان ہان ناوک وہ لگا بیٹھے

گو بزم محبت کے آداب سے ہو واقف
بے چین ہو دل جس کا وہ چین سے کیا بیٹھے

اے آرزو اب ہم ہین اور ہجر کی تنہائی
اک دل تھا تو پہلو سے اُس کو بھی گنوا بیٹھے

۲۲۴

غم ہجر کیون نہو جانگزا کہ وہ دلربا مری جان ہے
مین جہان سے مُنھ کو پھرائے ہون کہ ہی جان اگر تو جہان ہے

یہ اثر ہے تند نگاہ کا کہ نگار ہوتے ہین دل جگر

مرے سادہ لوح کے ہاتھ میں کوئی تیر ہے نہ کمان ہے

میں نظر جو کرتا ہوں دل پہ اب تو ہجوم غم سے ہی جائے ہو

کبھی جس میں بستی تھیں حسرتیں یہ ہی تو اُجڑا مکان ہے

ہوا دل سے بندہ جو حُسن کا اُسے لطف ہر دو جہان ملا

ترے چشم و ابرو خم شدہ تہ کعبہ مے کی دوکان ہے

مرے تیرے اب وہ ہے واسطہ تن و جان میں جو کہ ہے واسطہ

مرے مُنھ میں تیری زبان ہے مرا قول تیرا بیان ہے

یہی شور نالہ سے ہے عیاں کہ کچھ اشک رہ بھی گئے نہاں

یہ جو پیش قافلہ ہے جرس پس ماندگان کا نشان ہے

جو وہ طفل شوخ ہے بیوفا تو اُٹھا نہ رنج فراق کا

تجھے آرزو یہ ہوا ہے کیا کہیں دل لگا کہ جوان ہے

۲۲۵

چارہ گروں کی کوشش راحت چرخ کی دل آزاری ہے

پھاہے کا اپنے زخم جگر کے مرہم تک زنگاری ہے
حال کہا جائے اب کس سے دل تو بھرا ہی آتا ہے
پوچھ رہے ہین وہ ہنس ہنس کے رقت مجھپر طاری ہے
جب سے خوشی کھودی غم دل نے اب یہی باتین آتی ہین
نالۂ و شیون شب کو اگر ہے دن کو آہ و زاری ہے
پانی کو بھی آگ بنایا سوز نہان کی گرمی نے
اشک کی اپنے بوند نہ سمجھو دہکی ہوئی چنگاری ہے
وہ مرے گھر مین آئے ہوے ہین پوچھ رہے ہین حالت دل بھی
دیکھتا ہون مین جو یہ الٰہی خواب ہے یا بیداری ہے
آنکھ مین ہے اندھیر زمانہ یاد جو ہے اُن زلفون کی
رات ہی رات ہے اب قسمت مین رات بھی وہ جو بھاری ہے
جتنے سچنۃ کار جنون ہین ایک طریقہ رکھتے ہین
قیس سے رسم چاک گریبان ابتک ہم مین جاری ہے

دل کا دھڑکنا چہرے کی زردی گو نہین خالی علت سے
مرتے ہین لیکن کہہ نہین سکتے ہم کو کیا بیماری ہے

آرزو اس کو تم کیا جانو گزری ہو جس پر اُس سے پوچھو
رحم سے خالی ہے دل اُسکا صورت جس کی پیاری ہے

۲۲۶

اپنے کیے کا رونا کیا ہے ‏ ‏ رونے سے آخر ہونا کیا ہے
سنگ در اُس کا خاک گلی کی ‏ ‏ تکیہ کیا ہے بچھونا کیا ہے
پھل نہین اچھا عشق کا اے دل ‏ ‏ ایسے شجر کا بونا کیا ہے
ہوتے ہی اُلفت آبنی جی پر ‏ ‏ آگے دیکھیے ہوتا کیا ہے
جاگ کے کاٹین ہجر کی راتین ‏ ‏ آنکھ لگی تو سونا کیا ہے
عشق سے کیون باز آئین ناصح ‏ ‏ دل تو گیا اب کھونا کیا ہے
زلف کا رشتہ خود ہے دل آویز ‏ ‏ اس موتی کا پرونا کیا ہے
روکے بہانا اشکون کا پانی ‏ ‏ داغ ندامت دھونا کیا ہے

آرزو اپنے کیے کو بھگتو
اب پچھتائے سے ہونا کیا ہے

۲۲۷

کیا نگاہوں پہ سحر کر آئے
دل میں کس راہ سے اتر آئے

وہ یہ کہتے ہوئے نظر آئے
کیوں جی پھر تم ہمارے گھر آئے

یاد جب آئی دل کی زندہ دلی
جا کے تربت کو پیار کر آئے

اپنی بیچارگی پہ دل یہ گھٹا
تیر بیٹھے ہوئے ابھر آئے

قبر کو دیکھیے نہ حسرت سے
آئے آپ اور جلد تر آئے

سب تو خیر ان کی حال پرسی
دل امنڈ آیا اشک بھر آئے

ہم سے دل کیا چھٹا جہاں سے گیا
جیسے مردے کو دفن کر آئے

جب حقیقت سے دل ہوا آگاہ
جس کو دیکھا تمہیں نظر آئے

دور کرنے مری غلط فہمی
کیسے کیسے پیامبر آئے

تھا جدا سب میں ایک شکوۂ غم
جتنے نامے زبان پر آئے

ہم سے وارفتہ آرزو ہر جا
گئے بے ہوش بے خبر آئے

۲۲۸

مجھ کو میری روش مٹاتی ہے
پاؤں کی خاک سر پہ آتی ہے

اس طرف ضبط اُس طرف تری یاد
سانس ہچکی میں اُلٹی جاتی ہے

منتظر جو کسی کی رہتی ہوں
کب اُن آنکھوں میں نیند آتی ہے

ہے محبت بھی طرفہ چنگاری
آگ دونوں طرف لگاتی ہے

چارہ گر سے چھپا رہا ہوں درد
بات کی کد میں جان جاتی ہے

آرزو وہ مزاج پوچھتے ہیں
کہہ نہ دینا کہ جان جاتی ہے

۲۲۹

آرزو وہ پھر سے ہو گئے غم کتنے فلک نے جو دیئے
جس نے کہ ہنس بات کی ہم بھی لپٹ کے رو دیئے

طالب دل ہی تم تو تھے پیش جگر بھی کر دیا
اب کہو چاہتے ہو کیا ایک کے بدلے دو دیے

ہین نہ وہ ٹھنڈی سانسین اب اور نہ جلی ہوئی فغان
ضبط نے سرد و گرم عشق ایک ہی مین سمو دیے

کون سی ہے وہ سرزمین مزرعۂ یاس جو نہین
بیٹھ گئے جہان کہین دانۂ اشک بو دیے

آپ کو اب ہے سوچ کیا تھا یہی میرا خونبہا
آنسوؤن نے لہو کے داغ تیغ ادا سے دھو دیے

دل جو بھر آیا ہجر مین پی گئے آنسوؤن کو ہم
نکلے جہان سے جو گہر پھر اُسی جا ڈبو دیے

میرے مسیح دہر کی چارہ گری ستم کی ہے
دیکھا جو ایک آبلہ نیش کئی چبھو دیے

ہوش و حواس و عقل و صبر تاب و توان و جان و دل

ہم کو خدا سے جو ملے ہم نے وہ آپ کو دیے

جن کی صفا و آب و تاب مخزنِ بحرِ حُسن ہے
سلک بیان مین آرزو آج وہ دُر پرو دیے

۲۳۰

انتظارِ مآلِ اُلفت ہے
ورنہ جینے کی کس کو حسرت ہے

دل کو اب درد سے بھی راحت ہے
ہے جو کچھ آپ کی عنایت ہے

کہہ کے یہ اور کچھ کہا نہ گیا
کہ ہمین آپ سے شکایت ہے

جوشِ وحشت ہو قید کا پابند
یہ بھی اک وقت کی نزاکت ہے

تیر کھایا تھا عرض مطلب پر
زخم دل مین بجاے حسرت ہے

خود وہ تڑپائین خود کرین افسوس
قابل افسوس کے یہ حالت ہے

دل کی سب بے چینیون پہ چین نثار
کچھ عجیب چیز دردِ اُلفت ہے

ہم کسی کے ستائے تو ہین ضرور
تم نہین ہو اگر تو قسمت ہے

وعدۂ دید اور وہ پردہ نشین
شرمگین آنکھ مین مروّت ہے

شاہراہِ وفا میں سنگِ نشان | بے نشانوں کا سنگِ تربت ہے

آرزو کون کس کو آتا ہے یاد
جھوٹی باتوں سے ہم کو نفرت ہے

۲۳۱

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے
تھے وہی بت وہی خدا ٹھہرے

ٹھہرے اُس در پہ یوں تو کیا ٹھہرے
بن کے زنجیرِ بے صدا ٹھہرے

سانس ٹھہرے تو دم ذرا ٹھہرے
تیز آندھی میں شمع کیا ٹھہرے

زندگانی ہے اک نفس کا شمار
بے ہوا یہ چراغ کیا ٹھہرے

جس کو تم لادوا بتاتے تھے
تھیں اُس درد کی دوا ٹھہرے

عشق کا جرم سہل کام نہیں
کہ ہر اک لائقِ سزا ٹھہرے

بیم و امید کی کشاکش میں
اک دوراہے پہ جیسے آ ٹھہرے

روتی آنکھیں جھلکنے دیکھ سکیں
بہتے زخموں پہ کیا دوا ٹھہرے

وہی خونی خدا کرے اک دن
کشتۂ حسرت کا خونبہا ٹھہرے

زندگانی ہوس کی آندھی ہے	دیکھیں کس رُخ پہ یہ ہوا ٹھہرے

آرزو وہ ہمیں نصیب کہاں
کان تک جا کے جو صدا ٹھہرے

۲۳۲

ہے بے خودی میں عقل گُم بگڑا ہوا برتاؤ ہے
کیا جی کا تھل بیڑا لگے بے ناخدا کی ناؤ ہے
زلفِ مسلسل اور دل زنجیر اور دیوانگی
بنتا بناتا کچھ نہیں کہ پیچ ہے گہ تاؤ ہے
دشمن سے بھی جھکنا یہاں عاشق سے بھی رُکنا وہاں
اک ہے ہمارا میل جول اک آپ کا برتاؤ ہے
کیونکر نہ دے بوئے وفا قاتل کے کوچہ کی ہوا
اک بے گنہ کے خون کا چاروں طرف چھڑکاؤ ہے
ٹھنڈی ہوا میں آہ کی کیسا پسینا آرزو

رستا ہے وہ چارون طرف سینے مین جو اک گھاؤ ہے

٢٣٣

ہم وہ نہین محفلِ رندانہ وہی ہے
شیشہ وہی بادہ وہی پیمانہ وہی ہے

کہنے کو زبانین نئی سننے کو نئے کان
قصہ وہی جھگڑا وہی افسانہ وہی ہے

یہ وقت کی ہے بات کہ بدلی ہے نئی ہر شان
صحرا وہی وحشت وہی دیوانہ وہی ہے

گر آنکھ کا پردا نہو اور فہم کا دھوکا
محفل وہی شعلہ وہی پروانہ وہی ہے

رسمین ہین جدا نام جداگانہ ہین ورنہ
مسجد وہی مندر وہی بتخانہ وہی ہے

دھوکا جو نگاہون کو نہ دے پردۂ نیرنگ
گلشن وہی بستی وہی ویرانہ وہی ہے

ہین رنگ جدا کیف نئے دور نرالے
ساقی وہی محفل وہی پیمانہ وہی ہے

کچھ یاد دلاتا تو ہے اک بھولا ہوا خواب
جلوت وہی خلوت وہی جانانہ وہی ہے

ہان آرزو اس رمز حقیقت کو سمجھ لو
ہم تم وہی ملت وہی یارانہ وہی ہے

حریفون کو نہ کچھ احباب سے کم یاد آئین گے
نہ ہونے پر زمانے مین بہت ہم یاد آئین گے

کہان کی قید زنجیرین کسی جا ہم کہین ہون گے
جنون مین جب ترے گیسوے برہم یاد آئین گے

وفا کا نقش ہے وہ نقش جو مٹ کر اُبھرتا ہے
جنھین دل سے بھلاؤ گے وہ پیہم یاد آئین گے

اثر پہلو نشینی کا ہے فرقت مین زمانے کی
ملے تھے آخر آخر جو مقدم یاد آئین گے

زمانہ اپنا اپنا، اپنا اپنا وقت ہے یہ تو
نہ جب تم یاد آؤ گے تو پھر ہم یاد آئین گے

بڑی نعمت ہین سوز جانگداز و درد بیدرمان
جب اُس دنیا مین پہونچین گے یہ عالم یاد آئین گے

نتیجہ ہر خوشی کا اس چمن مین آرزو غم ہے
ہمین گُل کی ہنسی پر اشک شبنم یاد آئین گے

۱۳۵

بچین کیا رہ کے دُنیا مین تعلقہاے پنہان سے
کہ سو سو خار ہین اُلجھے ہوے ہر تار داماں سے
پہونچنا شوق دل کی انتہا تک غیر ممکن ہے
یہان وسعت مین ہر ذرّہ زیادہ ہر بیابان سے
لباسِ عاشق و معشوق دونون چاک ہین لیکن
ادھر ہے ابتدا دامن سے اس جانب گریبان سے
سپردِ دشمنِ آرام ہو کر خواہشین دل کی
ہزارون درد پیدا ہو گئے اک فکر درمان سے
نہین اُٹھنے کی طاقت اور ارادہ کوے جانان کا
مری وحشت گذرنا چاہتی ہے حدِ امکان سے

سراپا رازمین ہون اور زبانِ شمع بے قابو
نباہ اک آن بھی دشوار ہے شب بھر کے مہمان سے

نفس کے سلسلے تک روح اسیرِ جسمِ خاکی ہے
کٹی زنجیر اور قیدی ہوا آزاد زندان سے

لگادے جاکے سرمہ چشمِ یارانِ طریقت مین
سیاہی مانگ کر صبحِ وطن شامِ غریبان سے

کہان ہے عقل کس جا ہوش ہین سمجھے ہو کیا آخر
خدا ترسی کی اُمید آرزو اک نامسلمان سے

۲۳۶

جانتے تھے دے کے دل قابو مین اُن کو لائینگے
یہ نہ تھا معلوم اس سودے مین خود بک جائینگے

اپنی اپنی جا ہے اک طوفان جوشِ حسن و عشق
مل گئے جس روز یہ دونون قیامت ڈھائینگے

جان سے بڑھکر ہمین ہے بات کا اپنی خیال
داغ حسرت آپ کو دل چیر کر دکھلائین گے

آہ اس کی کیا خبر تھی اپنے اندشۂ شوق کو
خود کہین گے حالت دل کہہ کے پھر پچھتائین گے

روکتا ہے گر حجابِ بزم اور پردہ نشین
زندگی ہے تو اکیلے بھی کبھی مل جائین گے

ہو جو اتنا بھی سہارا مرتین اہلِ وفا
کوئی دو آنسو بہائے گا اگر یاد آئین گے

ایک تھے دونون یہ بس تھا رازِ خلوت آرزو
اب کہون گا تو یہ ڈر ہے وہ خفا ہو جائین گے

۲۳۷

ہین سو خلشین عشق کے انجام سے پہلے
تکلیف ہی پیش آگئی آرام سے پہلے

دل شوق سے معمور ہے آتے ہی جوانی
اک شمع جلا دی گئی ہے شام سے پہلے
ساقی مری چھوٹی ہوئی عادت پہ نظر کر
لا ہاتھ سہارے کے لیے جام سے پہلے
دن عیش کے بن جاتی ہیں تکلیف کی راتیں
واقف ہی نہ تھے گردشِ ایام سے پہلے
پربستہ کیا طاقتِ پرواز نے لا کر
پھندے ہیں مقدر کے پھنسے دام سے پہلے
پھر چاک گریبان پہ مرے شوق سے ہنسیے
دامن تو بچا لیجیے الزام سے پہلے
یہ رسم و رہِ مشربِ رندانہ ہے ساقی
اک بوسۂ لب چاہیئے ہر جام سے پہلے
ہیبت کسے دکھلاتی ہے آمد شبِ غم کی

آنکھون مین اندھیرا ہے یہان شام سے پہلے

اے آرزو اچھا نہین الفت کا نتیجہ
تم پوچھ نہ دیکھو کسی ناکام سے پہلے

۲۳۸

بیٹھا ہون اپنے قتل کا سامان کیے ہوسے
یعنی خیال ناوک مژگان کیے ہوسے

بے موت مین مرون تمھین آتی نہین حیا
کیا چپ کھڑے ہو تیغ کو عریان کیے ہوئے

تکتا ہون سوے پردۂ روزن سے اجنبی
شوق نظارہ آنکھون مین پنہان کیے ہوئے

جانا پڑے عیادت بیمار نا اُمید
اور بال کھولے حال پریشان کیے ہوسے

وحشت ہم اپنی بعد فنا چھوڑ جائین گے

۲۴۰

اب تم پھرو گے چاک گریباں کیے ہوے
یون پھر رہے ہین جیسے کوئی بات ہی نہین
آلودہ میرے خون سے داماں کیے ہوے
جوشِ جنون مین وہ ترے وحشی کا چھٹنا
بند اپنے ہاتھ سے درِ زندان کیے ہوے

قابو کا اپنے جان کے ہون شاد آرزو
دل مین خیال یار کو مہمان کیے ہوے

۲۳۹

جی مین تھا طول مدعا کہیے
نہ کہا جائے کچھ تو کیا کہیے

یون سمجھ لیجیے کہ خود ہین برے
سارے عالم کو کیون برا کہیے

حق الفت کو دیکھیے پیش نگاہ
مدعی بن کے مدعا کہیے

ایک مطلب ہین بات کا ہے فرق
بت اسے کہیے یا خدا کہیے

مرضِ غم کا جب یہی ہے علاج
زہر کیون کہیے پھر دوا کہیے

ہے خموشی مری اسی قابل | جتنا چاہے بڑا بھلا کہیے

آرزو وقت پرسش احوال
کچھ بھی نکلا نہ منھ سے کیا کہیے

۲۴۰

کوچۂ تاریک گیسو سے گزر دشوار ہے
مشعلیں آنکھوں کی گل ہیں راہ ناہموار ہے

زندگی میں دل کے ہاتھوں عافیت دشوار ہے
ہاں یہی آزار کش بنیاد صد آزار ہے

اختیار و جبر میں جو شے جسے دیدے نصیب
ورنہ او مغرور میں غافل نہ تو ہشیار ہے

رکھتا ہی پوشیدہ اک شے حقیقت سے مجاز
کون سا ہے سبحہ اے زاہد جو بے زنار ہے

کیا کرے ہمت بھڑک اٹھنے کی کم روغن چراغ
تم پہ مرمٹنے کو تھوڑی زندگی درکار ہے

کارپرداز قضا ہے ایک تیر بے کمان
ہاے وہ نیچی نظر جو ہر جگر کے پار ہے

مصر تک کنعان سے پہونچا حسن یوسف کا چراغ
جنس اچھی ہو تو ہر جا گرمیِ بازار ہے

زخم کو ناسور کر رکھیے مگر ٹٹنے نہ دیجے
دل کہ اس سرمایۂ غم کا امانت دار ہے

ساز ہے بنیاد طوفاں کشتی دل کے لیے
یاد رکھ یہ بادباں ٹوٹا کہ بیڑا پار ہے

۲۴۲

دے نگاہوں کو نہ گردش ہو جو چشم امتیاز
ایک اک پتی چمن کی روح صد گلزار ہے

زیست میں شایانِ سزائے موت ہے قمری کی طرح
ابتدائے عشق سے پھانسی گلے کا ہار ہے

بے بصیرت کے لیے تاریک ہے روشن مکان
ٹکریں تیلائیں گی یہ در نہیں دیوار ہے

زندگی میں وعدۂ فردا سے کیا تسکین ہو
غم تو ہے جانکاہ اور عمرِ خضر درکار ہے

پھول سے دل کو نہ دے خارِ محبت کی خلش
کیوں یہ دیوانی جوانی درپئے آزار ہے

آرزو غمخوارئ دشمن پہ دھوکا کیوں نہ ہو
قہر ہے وہ ابرِ تر دامن کہ آتش بار ہے

۲۴۱

نہ پوچھو وسعتِ دل کو کہ مٹ جانے پہ بھی کیا ہے
جو ذرہ کم سے کم ہے وہ بھی عالم خیز صحرا ہے
کرشمہ ہے ادا ہے ناز ہے شوخی ہے غمزا ہے
خدا معلوم اوران حسن کے پتلوں میں کیا کیا ہے
قیامت ڈھا گیا ہے انتظار اب شکل دکھلا دو

نہین تو یہ گمان ہوگا کہ بس پردہ ہی پڑا ہے

کچھ ایسی آبنی ہے دل پر الفت مین کہ اے ہمدم

نہ اب رونا ہی آتا ہے نہ اب ہنسنا ہی آتا ہے

وہی بے چینیان رہتی ہین دوری ہو کہ نزدیکی

نہین معلوم اس بیتاب دل کا مدعا کیا ہے

جدھر چاہے اُدھر لیجائے یہ وارفتگی ہم کو

نہ کوئی کہنے والا ہے نہ کوئی سننے والا ہے

نہین معلوم کیون دیکھا تھا ظالم نے نظر بھر کے

دل اب کاہے کو ہے پہلو مین کانٹا سا کھٹکتا ہے

کہان سے آئی ہے یارب یہ از خود رفتگی مجھ کو

کہ بستی ہے نہ ویرانہ نہ آبادی نہ صحرا ہے

تمھارا پوچھنا کہنا مرا بیکار ہین دونون

جو بر آئے کوئی وہ بھی تمنا مین تمنا ہے

صدا طوطی کی کیا اسے آرزو نقار خانے مین
بھلا ہنگامۂ محشر مین اپنی کون سنتا ہے

۲۴۲

طلسماتِ جہان مین ہر قدم منزل کا دھوکا ہے
کہ اس جا ذرہ ذرہ پر مہِ کامل کا دھوکا ہے

نہ ہو یہ منزلِ مقصود جس پر دل کا دھوکا ہے
اب اس ٹھہری ہوئی کشتی پہ خود ساحل کا دھوکا ہے

یہی اک جا نظر آتی ہے دخل غیر سے خالی
وہ اک خلوت کدہ تیرا ہے جس پر دل کا دھوکا ہے

قضا کا نام جتنا چاہے ہو جائے زمانے مین
مگر مجھ کو تو اس پر بھی اُسی قاتل کا دھوکا ہے

کہان ممکن ہے بے ڈوبے عبور اس بحر فانی سے
کہ ہر موجِ تباہی خیز پر ساحل کا دھوکا ہے

سہارا پیش رو کے نقش پا کا ڈھونڈھ اے سالک
یہ وہ رستہ ہے جس مین ہر قدم منزل کا دھوکا ہے

طلب جاتی رہی ساغر بنا جس دن سے آئینہ
وہ اب دل ہی کہان ہے جس پہ ہم کو دل کا دھوکا ہے

نہ ہوتین بند اگر آنکھین نہ کھلتے دیدۂ باطن
بڑا ہشیار ہے جس پر تمھین غافل کا دھوکا ہے

نشست عارضی سے ہے سرائے دہر کی رونق
یہ ہے اک کاروان جس پر بھری محفل کا دھوکا ہے

کبھی جلوت کدہ اُن کا کبھی حسرت کدہ اپنا
خدا جانے یہ ہے کیا چیز جس پر دل کا دھوکا ہے

خدا سے مانگ وہ دل آرزو تعمیر مین جس کی
فریب باد و آتش ہے نہ آب و گل کا دھوکا ہے

بھری جوانی اُمنگ کے دن لڑین نگاہین کہ فیصلہ ہے
بخیر انجام ہو الٓہی یہ دل کا پہلا معاملہ ہے

ادا سے بل تیوریون پہ لانا بجا بجا کہہ کے مسکرانا
شکایت اس طرح سُن رہے ہین کہ جیسے اُنکو بھی کچھ گلا ہے

نہ دے ٹھوکے نگاہ نا زاب سنبھل سکین گے نہ رند مشرب
پیالہ ہے اس طرح لبالب کہ ہاتھ کا نپا تو فیصلہ ہے

جو شمع باقی دم سحر ہے یہ شاہد حال اہل گھر ہے
پھری ہوئی آنکھ کی نظر ہے بجھے ہوے دل کا ولولہ ہے

دل اب تو عبرت سرا ہے گویا نہ ولولے ہین نہ ناز بے جا
پڑا ہے ایسا اُداس صحرا کہ راہزن ہے نہ قافلہ ہے

گذر گیا جوش کا زمانہ کہان وہ جلنا کہان جلانا
ہون اک بجھی شمع کا فسانہ کہ دل ہی اب بے نہ ولولہ ہے

مدارج عشق پر ہے حیرت مجاز ہو منزل حقیقت
زیادہ ہے نہ فلک سے رفعت مکان بظاہر دو منزلہ ہے
دبائے رکھا ہمیشہ جسکو وہ شعلہ پانی بنا ہے دیکھو
بہا ہے آنکھون سے پھوٹ کر جو اُسی جلے دل کا آبلہ ہے

یہ آرزو شیب کا زمانہ اور اُسپہ اشعار عاشقانہ
بجھی ہوئی آگ کی ہے تیزی لیے ہوے دل کا ولولہ ہے

۱۴۴

بڑا ہے فرق یہی جس سے جان عاری ہے
کہ جو خطا ہے تمہاری نہین ہماری ہے
مین جانتا ہون کہ بیجا ہے سے فائدہ نہین کچھ
یہ زخم ناخن وحشت کی پردہ داری ہے
رضائے دوست کا پابند ہل نہین سکتا
وہ پاؤن مین ہے جو زنجیر نسب سے بھاری ہے

اجل تو آنے ہی والی ہے اس کا خوف ہی کیا
مگر یہ روز کے دھڑکون سے جان عاری ہے

بڑھا دی موت نے کتنی ترے شہید کی عمر
جو خون بند نہ ہوگا کبھی وہ جاری ہے

یہ کہ رہا ہے عدم مین خیال ہستی کا
کمر کو باندھ کہ قسمت مین بے دیاری ہے

رہے گی قاتلِ عالم نگاہ کج ہو کہ راست
یہی چھُری یہی برچھی یہی کٹاری ہے

فراخ دامنیِ چشم تر ذرا کھول آنکھ
ارے یہ پردہ دری ہے کہ پردہ داری ہے

چھپا سکا نہ زمانہ ترے شہید کا خون
ہٹا دی لاش تو ہر چشم تر سے جاری ہے

کیا حلال اداے ادھر پھری کہ اُدھر   چھُری نگاہ کی لے آرزو دو دھاری ہے

۱۴۵

کچھ نہیں غم جو نظر پھیر لی بینائی نے ۔۔۔ رکھ لیا ہے تجھے آنکھوں میں تماشائی نے

بھیس پر بھیس وہ بدلے مرے ہرجائی نے ۔۔۔ ناشناسی کا کیا عذر شناسائی نے

چاک تاروں کی گریباں کے حقیقت کیا تھی ۔۔۔ ہاتھ روکا ہے فقط غیرت رسوائی نے

جانیں کیا جن طلب رند تو ہیں سادہ مزاج ۔۔۔ حال اعضا شکنی کہدیا انگڑائی نے

شکر ہے دشت جنوں اب نہ رہا نا محدود ۔۔۔ کچھ حدیں ڈال تو دیں بادیہ پیمائی نے

ہچکیاں نزع کی یہ تھیں کہ قضا کے جھٹکے ۔۔۔ قید کس زور میں توڑی ترے سودائی نے

وصل کے بعد ضروری تھا فراق تن و روح ۔۔۔ ساتھ دونوں کا چھڑایا اسی یکجائی نے

پردہ اٹھوایا ہے چہرہ سے خدا خیر کرے ۔۔۔ اپنی آنکھوں کی قسم دیکے تماشائی نے

مے سے نفرت تو فقط کی تھی زبان نے ظاہر ۔۔۔ توبہ بلوا دی ہر اک جوڑ سے انگڑائی نے

سخت تر سنگ سے ماتھے کی لکیریں نکلیں ۔۔۔ لکھا قسمت کا مٹایا نہ جبیں سائی نے

شمع سوزاں کا فسانہ ہے مری ناکامی ۔۔۔ مفت کٹوا دی زباں حسرت گویائی نے

ضبط غم تابہ لب آنے نہیں دیتا فریاد ۔۔۔ کیا گلا گھونٹا ہے اس مونس تنہائی نے

بادۂ ہوش لنڈھا ساغر تمکین ٹوٹا ۔۔۔ ہاتھ مارا ہے یہ کس مست کی انگڑائی نے

پردہ اُٹھا تھا کہ نظروں میں اندھیرا چھایا | کیا دغا دیتی یہ دی آنکھوں کی بینائی نے
آرزو دیکھ لئے لیل و نہار اُلفت کے
صبح محشر کی خبر لی شب تنہائی نے

۱۴۶

کڑی چوٹیں محبت کی سہی جاتی ہیں مشکل سے
فغان بنکر ہوئی جھنکار پیدا شیشۂ دل سے
یہ چپکے چپکے آخر طے ہوا کیا غمزدہ دل سے
نگاہیں مل کے رخصت ہو رہی ہیں اہل محفل سے
یہ خونِ بیگنہ کس کا پسینا بن کے یہ نکلا ہو
ٹپکتی ہے خجالت پر خجالت روئے قاتل سے
مجھ ایسا ناتواں رفتار کیا دیکھے زمانہ کی
یہ حال اب ہے کہ گردش آنکھ کو ہوتی ہے مشکل سے
ہوئی بند آنکھ مجنوں کی کہے یہ کون لیلیٰ سے

کہ وقت اب آگیا باہر نکل آنے کا محمل سے

خبر دنیا میں پھیلانے کو میرے خون ناحق کی

غبار اٹھا ہے بن کر سرخ آندھی کوئے قاتل سے

رہائی سہل ہے اے زور وحشت زندگی مشکل

رگڑ تی ہیں جو کڑیاں شعلے اٹھتے ہیں سلاسل سے

ہوئی جب بیدلی پھر سیر گاہ دہر میں کیا ہے

اٹھا ہے کوئی مثل شمع رونق لیکے محفل سے

نمائش اپنی ہستی کی تماشا جزر و مد کا ہے

وہ موجہ ہوں جو ٹکرا کر پلٹ جاتا ہے ساحل سے

فغاں بیوقت نالے بیمحل ہیں آرزو اتنو

کہ دل کا بھید ظاہر ہو چکا بیتابئ دل سے

۱۴۷
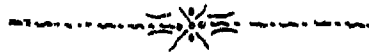
دیکھے دُکھ ہوتے ہو منکر آہ کی تاثیر کے
کھنچ گئی ہے اَب کماں آگے نہ آنا تیر کے

ٹوٹتے ہیں فیصلہ تک دیکھیئے کتنے گواہ
چھوٹتے جاتے ہیں دھبے خونِ دامنگیر کے

اور ہے بچپن۔ جوانی اور۔ پیری ہے کچھ اور
تین نقشے تین پردوں میں ہیں اک تصویر کے

درد کیسا جان بھی اب تن میں رہنے کی نہیں
دیکھیئے کیا کیا نکل آتا ہے ساتھ اک تیر کے

قید کی حد میں بڑھا لی ہم نے آزادی کی حد
یوں دیا جھٹکا کہ حلقے کھنچ گئے زنجیر کے

دیکھتا ہوں زندگی کے شوق میں سامان موت
چند سانسوں کی ہوا لائی ہے منہ پر تیر کے

نقش ہستی، کچھ لکیریں۔ جن کا رنگ اڑتا ہوا
دیکھتے ہی دیکھتے پر لگ گئے تصویر کے

ہر قدم اک کشمکش ہے توڑنا پڑتی ہے قید
جا بجا صحرا میں پھنستے ہیں سرے زنجیر کے

کانپنے سے ہاتھ بڑھتے جاتے ہیں زخموں کے منہ
تم سلامت کھینچنے والے جگر سے تیر کے

چلتی پھرتی چھاؤں سمجھو صفحۂ ہستی کے نقش
ایک پرچھائیں سی ہے پردہ میں ہر تصویر کے

آرزو جوشِ طبیعت کو ہے آزادی پسند
ہم نہ غالب کے مقلد ہیں نہ پیرو میر کے

۱۴۸

پہلے آنسو کیجئے پاک اپنی چشم زار سے
پھر پسینا پونچھئے گا چہرۂ بیمار سے

ہے نگاہِ ناز کا قہر و غضب خواہانِ جاں
شانِ خوں ریزی ٹپکتی ہے تری تلوار سے

آنکھ کا پردہ لگا لو جلوہ گاہِ ناز میں ٹک
ترسی نظریں سیر ہو سکتی نہیں دیدار سے

غنچے کھلتے ہیں تو ٹانکے ٹوٹتے ہیں بار بار
آتی ہے بوئے گریباں زخم دامندار سے

جان چھوڑ اب اے گرانجانی خدا کے واسطے
جیتے جی مردہ کی بو آنے لگی بیمار سے

ایک دل اور ہر طرف سے شعلہ رویوں کا ہجوم
اب جلا جاتا ہے یوسف گرمیٔ بازار سے

ہو گئے خوگر جفا کے ناز برداری سے وہ
اب زمانہ پس رہا ہے اپنی ہی رفتار سے

بے تعلق ہو کے دل سے آرزو دنیا ہے ہیچ گل سے جب مطلب نہیں پھر کام کیا گلزار سے

ہے جتانا نگہِ ناز کی تاثیر سے مجھے
فرصت اک آہ کی دے اے خلشِ تیر مجھے

پردہ خود پردہ درِ راز ہے بس لب اے ضبط
پھونکے دیتی ہے مرے سوز کی تاثیر مجھے

روک لے زورِ جنوں طاقتِ زنجیر نہیں
باندھ رکھ پہلے سے او زلفِ گرہ گیر مجھے

وقت کم کام بہت چند نفس طولِ کلام
ہچکیاں دیتی نہیں فرصتِ تقریر مجھے

سانس اکھڑی تو ہوئی قیدِ حیات اور بھی تنگ
ہلنے دیتی نہیں ٹوٹی ہوئی زنجیر مجھے

اس طرح بھی نہ مقدر کا لکھا پیش آئے
ہو جوابِ خطِ شوق اپنی ہی تحریر مجھے

اب کوئی راز نہیں سلسلۂ ربطِ جنوں
قید خود ہو گئے پہنا کے وہ زنجیر مجھے

او لگاوٹ سے نظر پھیر کے جانیوالے
لے چلا کھینچ کے ساتھ اپنے ترا تیر مجھے

آرزو موت ہوا زیست کی غفلت کا مآل
خود بنی خوابِ گراں خواب کی تعبیر مجھے

۱۵۰

جو اسکے کوچے سے اُٹھے وہ گرد ہو کے اُٹھے
گرے تھے صورتِ اشک آہ سرد ہو کے اُٹھے

نظر کے تیر کا مارا کوئی نہیں اتنا
پکڑ کے ہاتھ میں تلوار مرد ہو کے اُٹھے

خزاں پہ دیکھ لی مٹتے جو اس چمن کی بہار
مثال برگ خزاں دیدہ زرد ہو کے اُٹھے

یہ تھی تری نگہِ التفات یا پتھر
وہ چوٹ کھائی جگر پر کہ درد ہو کے اُٹھے

اک اضطراب تھی یا مشتِ خاک کی ہستی
غبار بن کے جو بیٹھے تو گرد ہو کے اُٹھے

نہ زندگی میں ہوئی سوزِ عشق کی تکمیل
وہ شمع ہم تھے کہ محفل سے سرد ہو کے اُٹھے

میاں کوئے وفا بیٹھے آرزو اس طرح
کہ پھر کبھی جو اُٹھے بھی تو گرد ہو کے اُٹھے

۱۵۱

کیا بدگمان ہیں میرے دلِ ناصبور سے
آتے بھی ہیں تو پوچھتے ہیں حال دور سے

اتنا نہ دل جلے کو جلاؤ کہ رو پڑے
ڈوبے گا عالم اُٹھے گا طوفان تنور سے

بہتر نہیں جو تجھ سے تو بدتر ہے ہم سے کون
ہم بھی یہ ناز سیکھے ہیں تیرے غرور سے

عبرت کا آئینہ ہے مگر روئے چارہ ساز
دیوانہ کرکے شکوۂ دیوانگی ہے کیوں

ہم آپ اپنے حال کو تکتے ہیں دور سے
ایسے ہی کام ہوں گے دل ناصبور سے

سینا ہے ہم کو چاک گریباں کا آرزو
دو چار تار کھینچ کے دامانِ حور سے

١٥٢

کیا ہے کعبہ کا دیر سے رُخ کہ کچھ بیان قدر ہی نہیں ہے
وہاں بھی بلجائے گا کوئی بُت خدا کے گھر میں کمی نہیں ہے

بتا چکا ہے نظامِ فطرت کہ مینھ نہ برسے گا بے ضرورت
ٹپک رہے ہیں جو اشکِ حسرت تو آگ دل کی بجھی نہیں ہے

جو دل خدا دے تو درد بھی دے وہ درد جو عمر بھر نہ جائے
مزے نہ حاصل ہوں زندگی کے تو زندگی زندگی نہیں ہے

یہ ہوش کب محو دید کو تھا کہ کیا تقاضا ہے شوق دل کا
گنہ کیا ہے مگر ادھورا بھرا تو ہے جام پی نہیں ہے

وہ تھی محبت کی کامیابی کہ رہتے ہم خود رضا پہ راضی
کوئی تمنا ہوئی جو پوری تو کچھ یہ سچی خوشی نہیں ہے

یہ میں نے کیا اک جہاں نے دیکھا کہ تم ہو پردہ میں جلوہ آرا
مگر یہ بے فیض کیسا جلوہ کہ چاند ہے چاندنی نہیں ہے

مرے بھی جل جل کے سوز غم سے مگر ہوئے مر کے بھی نہ ٹھنڈے
جو آپ دل میں لگا گئے تھے وہ آگ اب تک بجھی نہیں ہے

کہے : کچھ آرزو زباں سے تو ایک چپ کے ہیں لاکھ معنی
سنے ہیں کانوں سے کتنے قصے زبان پیدا ابھی نہیں ہے

۱۵۲

مست آنکھ پر فریب : خا کھا کے گر پڑے
دیکھا جھلکتا جام تو للچا کے گر پڑے

ہم ایسے ناتوانوں کا کیا کوچ کیا مقام
راہ طلب میں چار قدم جا کے گر پڑے

اتنا وکب ہی تاب پست و بلند مدار ہ
ٹھوکر سے جو سنبھل گئے تیورا کے گر پڑے

دیکھا اس قدر لپٹ کے نہ چل ای ہوائے یاس
دامن سے پھول باغ تمنا کے گر پڑے

بے لاگ بھی جو شعلہ جاں سوز کی لپک
پہونچی دھمک دماغ پہ بھی دل کی چوٹ سی

پروانے کیا سٹری تھے کہ آ آ کے گر پڑے
اک بیت سے آنکھ لڑتے ہی تیورا کے گر پڑے

ہم صید گاہِ ناز میں آتے ہی آرزو
تھے مرغ تیر خوردہ کہ لہرا کے گر پڑے

۱۵۳

غم دے تو دل بھی شمع کا پروردگار دے
جو ساری عمر ایک طرح پر گزار دے

جس دل میں ہو نہ کیف محبت وہ دل نہیں
ساغر وہ ہے جو بوئے مئے خوشگوار دے

اک انتظار وعدۂ دیدار کے لئے
مہلت کچھ اور زندگیِ مستعار دے

لازم ہے عہد نامہ الفت پہ مہر بھی ہو
لیتا ہے دل تو داغ بھی اسے گلعذار دے

ہر وقت یہ بھی ہو نہ سکا شوقِ دید سے
جاتے ہوئے حواس کو بڑھ کر پکار دے

بے اختیار ہو کے رہا دل تو کیا رہا
ایسی فضول شے بھی نہ پروردگار دے

بے کیف زندگی کا نتیجہ کوئی نہیں
دے اضطراب بھی جو خدا انتظار دے

ہوتا ہے خامشی سے بھی اظہارِ حالِ دل
خالق زبان دے کہ نہ دے اعتبار دے

انسان کے ڈیل بھر میں جو کچھ ہو زبان ہے
یہ ایک پانسہ پھینک کے جو چاہے ہار دے

مارا پڑے گا جوشِ جوانی میں آرزو
غفلت میں یہ خراب زمانہ گزار دے

۱۵۴

زورِ بلبل کے پر صیاد نے جب کس دئے
اپنا اپنا دل پہ شبنم رہ گئی غنچہ ہنس دئے

مشکل آسانی میں عاجز ہو رہے ہیں عقل و ہوش
مجھکو مجبوری ہے جو دم گھٹ رہا کہیں بے بس دئے

قصۂ غم تیرے دیوانے کا کیا دلچسپ تھا
خون ہو کر سننے والوں [illegible]

ظلم ہیں اندھیر اک ایجاد ہے صیاد کا
توڑ کر بلبل کے پر بازو اسی کے نس دئے

کارسازی مالکِ قسمت کی دیکھو آرزو
کھولنے کو ایک اک عقدے کو ناخن دس دیے

۱۵۵

جن میں مزہ تھا خواب وہ یارانے ہوگئے
اگلے جو تذکرے سنے آب افسانے ہوگئے
انجام عشق پر ہیں مرے لوگ دل اداس

تیار زندگی سے عزاخانے ہو گئے

تشہیر کرتے پھرتے ہیں گلیوں میں لاش کو

میں مر گیا تو سیکڑوں دیوانے ہو گئے

بے فیض ہو کے جلوے نے زنجیر توڑ دی

آزاد شمع بجھتے ہی پروانے ہو گئے

وارفتگی نے اپنی بدل دی جہاں کی خو

اپنے نگاہ پھیر کے بیگانے ہو گئے

۱۵۶

کیا عالمِ یکرنگیِ نیرنگ فراواں ہے

ہر برگ گل اک گل ہے ہر گل چمنستاں ہے

رفتار زمانہ کے تابع ہیں ثوابت بھی

ہر نخل کا سایہ تک اک سرو خراماں ہے

غفلت کی ہے بیماری یہ ہوش کسے ورنہ

جس درد سے مرتے ہیں یہ درد ہی درماں ہے

جو داغ ہیں افسردہ آخر کو جل اُٹھیں گے

تعزیرِ محبت میں سامان چراغاں ہے

ہر حال میں جو خوش ہے وہ آرزوؔ غمگیں ہو

دیوانہ سا اک انسان کافر سا مسلماں ہے

۱۵۷

سانس چلی دم بھرنا سیکھے
جان گنوا کر مرنا سیکھے

ہم نے سیکھی پریشان حالی
گیسوان کے سنورنا سیکھے

بیٹھ کے تنہا جی گھبرایا
دل سے باتیں کرنا سیکھے

ہم وہ حبابِ بحرِ فنا تھے
طوفاں سے جو اُبھرنا سیکھے

آرزوؔ اور نہ کچھ کام آیا
ٹھنڈی سانسیں بھرنا سیکھے

۱۵۸

کام جو راس نہ آئے کبھی ایسا نہ کرے
دل بھی دے دکھ بھی اٹھائے کبھی ایسا نہ کرے

سوزِ پنہاں کو زباں تو نے بنایا اے شمع
جل مرے جان سے جائے کبھی ایسا نہ کرے

آرزو پھر وہ قسم توڑتے بے جھجکے نہ ڈرے
جو زباں سے یہ سنائے کبھی ایسا نہ کرے

۱۵۹

بچپن میں بھی گیسوئے خوباں سے الجھتے تھے
تھی اتنی سمجھ ہمکو جب کچھ نہ سمجھتے تھے

کیا اس کی خبر ان کو ہر پیچ میں اک دل ہے
سر دھنتی تھی مشاطہ گیسو نہ سلجھتے تھے

ان گیسوؤں کا سودا اے آرزو ایسا تھا
سمجھاتا تھا جو ہم کو ہم اس سے الجھتے تھے

۱۶۰

جب رہ بھی نہیں سکتے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے
بھر آتے ہیں جو آنسو یہ بہہ بھی نہیں سکتے

ہے قید کی سختی کا ایک ایک نفس شاہد
مشکل ہے رہائی بھی اور رہ بھی نہیں سکتے

چہل چراغ

ہوالقادر

گلشن مین گلون کو رنگ بُو دیتا ہے
بے مانگے گہر کو آبرو دیتا ہے
گونگے کو زبان بہرے کو کان اندھے کو آنکھ
جو دے نہ سکے کوئی وہ تو دیتا ہے

(دنیا چھوڑو تو عقبیٰ ملے گی)

نقصان سے دُرِّ مدعا ملتا ہے
بے آس ہوئے سے آسرا ملتا ہے
محفل مین کہان نصیب لطفِ خلوت
سب چھوٹتے ہین جب تو خدا ملتا ہے

(دنیا ہر زمانہ کے لئے نئی ہے)

ماضی کو حال کوئی کہنے کا نہین
سیدھا دریا اُلٹ کے بہنے کا نہین
ہر ایک زمانے کے ہین نیرنگ جُدا
جو تھا وہ نہین جو ہے یہ رہنے کا نہین

(موجودہ حالت سے آیندہ کی امید باندھنا غلطی ہے)

پہلے سے امیدِ کامرانی کیسی
طفلی کیا جانے ہے جوانی کیسی
جب ساتھ زمانے کے بدلتا ہے مزاج
پھر تجربہ کیا مزاجدانی کیسی

(قول جبتک فعل کا جامہ نہ پہن لے قابل اعتبار نہین)

باتون مین کسی کی نہین آنا اچھا — ہے عہدِ وفا کا آزمانا اچھا
اس رشتۂ خام کو ذرا کس کے بھی دیکھ — بودا ہے اگر تو ٹوٹ جانا اچھا

(دہشت عقل کی دشمن اپنی شمع کے لئے آپ ہوا کا جھوکا ہے)

ہمت کو جو بزدلی گھٹا دیتی ہے — ناکامیِ منزل کا پتا دیتی ہے
جس غار کی دہشت سے لرزتے ہین قدم — دہشت اُسی غار مین گرا دیتی ہے

(دولت جا کر پھر واپس آتی ہے مگر گئی آبرو پلٹ کر نہین آتی)

پا سکتا ہے پھر جو زر لٹائے کوئی — کیا پائے جو آبرو گنوائے کوئی
بکھرے ہوے موتی تو سمٹ سکتے ہین — ٹپکے ہوے اشک کیا اُٹھائے کوئی

(کامل نا اُمیدی مطمئن کر دیتی ہے)

دل ٹوٹ چکا امیدواری کب تک — کب تک یہ فغان یہ آہ و زاری کب تک
احساس مٹا تو دردِ دوری تا کے — جب درد نہین تو بیقراری کب تک

(آرام کی ہوس تکلیف بڑھاتی ہے)

جو شوق کی حد سے آگے بڑھ آتے ہین — وہ عیش کی جستجو مین دُکھ پاتے ہین
انجام ہوس کب ہے خلش سے خالی — گُل توڑنے مین خار بھی چُبھ جاتے ہین

(ذاتی جوہر بھی اکتسابی جلا سے چمکتے ہین)

جو اہل ہنر کا ہمنشین ہوتا ہے	وہ لائق داد و آفرین ہوتا ہے
معدن مین ہی یاقوت تو ہے ریزۂ سنگ	ہان سان پہ چڑھنے سے نگین ہوتا ہے

(نمایشی اخلاق خباثت دلی کی اصلاح نہین کر سکتے)

باطن مین جو عیب جاگزین ہوتا ہے	ظاہر کی صفا سے رو نہین ہوتا ہے
ہے جرم مین جس کے نقص یہ یاد رہے	کب صاف جلا سے وہ نگین ہوتا ہے

(قناعت باعثِ عافیت ہے)

ہون دل کا غنی حرص زر و مال نہین	یعنی کہ تمنا ئے پر و بال نہین
ہے قابلِ قدر عافیت گاہ قفس	ہون سبزۂ دیوار کہ پامال نہین

(فضول باتین سوچنے کا انجام دیوانگی ہے)

سوچے سے قفس نہ آشیانا ہوگا	قابو مین نہ برگشتہ زمانا ہو گا
ہے وجہ زیان یہ آسیا گردانی	پتھر ہی گھسے گا جب نہ دانا ہوگا

(آرام طلبی موت کا پیش خیمہ ہے)

بے کار نہ بیٹھ ورنہ پچھتائے گا	بے شغل رہا تو جی بھی گھبرائے گا
مردہ ہے وہ پیکر نہ جس مین حرکت	پرزہ نہ چلا تو زنگ کھا جائے گا

(ہر چیز اپنے کام مین نہ آئے وہ اپنی نہین)

دونون یکسان ہین جب تمنا نہ چھوٹا
بربادیِ خاشاک سے کیا کام اُسے
حبہ بھی نہ چھوٹا کہ خزانہ چھوٹا
جس مرغِ چمن سے آشیانہ چھوٹا

(دلی جذبہ کی لہر چہرے تک پہونچتی ہے)

پردہ یہ نہین نگاہ کا دھوکا ہے
رُخ صاف بتا دیتا ہے دل کی حالت
دراصل وہی راز ہے جو پردا ہے
تصویر ہے پیچھے آگے آئینا ہے

(فریب کا اثر خود غمازی کرتا ہے)

صورت گرِ حال ہے چھپانا تیرا
چہرہ ہے وہ فانوس کہ جس کی ہے شمع
تصویرِ خیالات ہے نقشا تیرا
خود پردۂ در راز ہے پردا تیرا

(عادت طبیعت بن جاتی ہے)

میخوار ہے ہوش بیخودی ساقی ہے
مانا یہ تعلّقات ہین قابلِ ترک
اس دور مین خود ضرر کی مشتاق ہے
اب ترک پہ اختیارِ کب باقی ہے

(سرکشی کا نتیجہ پستی اور فروتنی کا انجام سربلندی ہے)

کب نخل غرور بارور ہوتا ہے
ہے خاک نشینی سببِ نشو و نما
بد ذائقہ کبر کا ثمر ہوتا ہے
بو جاتا ہے دانہ تو شجر ہوتا ہے

(اوچھی طبیعت کی مثال اتھلے کٹورے کی ہے)

دعوے جو زبانون سے نکل پڑتے ہین
مٹتی ہی بنی بات خلل پڑتے ہین
ہے شانِ ہنر سکوت اہلِ ادراک
تھوڑے مین تنک ظرف اُبل پڑتے ہین

(حقیقی آرام بے تعلقی مین ہے)

تحصیل مین دنیا کی پریشانی ہے
ایذا کا سبب مخملِ کاشانی ہے
دامن نہ بچے خارِ تعلق سے اگر
فخرِ دیبا لباسِ عریانی ہے

(جیسی کرنی ویسی بھرنی)

اُلٹی بھی کبھی چال فلک چلتا ہی
جو آگ لگائے خود بھی وہ جلتا ہے
اس خاک مین ہی نشو ونما کی قوت
ہر طرح کا نخل پھولتا پھلتا ہے

(مکافاتِ عمل کا نام مظلومی نہین)

ظاہر ہے سکوت سے کہ دل شاد نہین
پھر لب پہ فغان و آہ و فریاد نہین
کیا خوش ہے یہ انتقام اتنا تو بتا
کیون طالبِ انتقام بیداد نہین

(دشمن اگر قویست نگہبان قوی تر است)

کب صلح کا ہے پیام لینے والا
زور بازو سے کام لینے والا
کمزور ہے آرزو اگر حامیِ جور
شہ زور ہے انتقام لینے والا

(زندگی کے راستے کی درمیانی منزل زوال ہے)

کوشش سے بلندی پہ بشر جاتا ہے
پستی کی طرف بغیر قصد آتا ہے
دنیا کی چڑھائی پر ہے دشوار قیام
تھمتا ہے جہاں پاؤں پھسل جاتا ہے

(سچ بولنے والے کو خاموش زیادہ رہنا پڑتا ہے)

کس طرح غمِ ہجر کا افسانہ کہوں
یہ سوچ رہا ہوں کہ کہوں یا نہ کہوں
سچ کہنے سے تم جھوٹ سے ناخوش اللہ
حیران یہ ہوں کہ کیا کہوں کیا نہ کہوں

(نمایشی چیزوں کا عدم و وجود برابر ہے)

بے سوز ہے گر تو ساز بھی ساز نہیں
نغمہ جسے کہتے ہیں ہر آواز نہیں
ویران رہا تو آشیانہ بے سود
پر ہیچ ہیں گر طاقتِ پرواز نہیں

(آئین جہانداری)

قابو میں اگر ہو کوئی طاقت کرنا
لازم نہیں جبر و ظلم و بدعت کرنا
پھر دونوں جہان کی سلطنت حاصل ہے
آجائے اگر دل پہ حکومت کرنا

(اپنے اوپر حکومت کرنے والا کسی کا محکوم نہیں)

احکامِ الٰہی کی اطاعت سیکھو
ہو ظلم سے عاجز تو عدالت سیکھو
آجائے غلامی میں مزہ شاہی کا
خود نفس پر اپنے جو حکومت سیکھو

(فریبی دوست سے صاف گو دشمن بہتر ہے)

ہے دشمن تو کہ دوست دیرینہ ہے — رکھتا ہے غبار صاف یا سینہ ہے
ہو جائے اگر باطن وظاہر یکساں — دل صاف نہو تو جب بھی آئینہ ہے

(زندگی کا مآل موت ہے)

دنیا میں کس آغاز کا انجام نہیں — ہے کون جو خورشید لب بام نہیں
پیری پہ ہے ختم آرزو دور حیات — اس صبح کے بعد پھر کوئی شام نہیں

(موجودہ حالت کو عیش گزشتہ کی یاد سے مصیبت نہ بناؤ کیونکہ آیندہ یہ وقت زمانہ عیش معلوم ہوگا)

اشک غم ماضی سے جو منھ دھوؤ گے — اس نعمت حال کو بھی خود کھوؤ گے
کیا روتے ہو آج یاد کر کے کل کو — کل آج کے واسطے یونہیں روؤ گے

(انتہائی ظلم قتل نہیں نیم جانی ہے)

قاتل ہی وہ کیا کہ جس نے زندا چھوڑا — اوچھا جو پڑا ہاتھ تو بُرا چھوڑا
ہے قتل سے بڑھ کے جرم بے پروائی — مرنے سے ہے بدتر جو سسکتا چھوڑا

(مرگ انبوہ وہیں تک جشن ہے جہاں تک خود محفوظ ہے)

آشوب بلا جو کوئی آغاز ہوا — خوش تھے کہ در تماشا اک باز ہوا
جب بن گئے سیرگاہ عبرت خود بھی — فریاد کا قہقہہ ہم آواز ہوا

(اپنی معرفت بھی خدا کی معرفت ہے)

ہے موت جو بیمار دوا کو بھولا
گمراہ ہوا راہنما کو بھولا
آئینۂ معرفت عبودیت ہے
جو آپ کو بھولا وہ خدا کو بھولا

(مظلوم کو ظالم قرار دینے سے بدتر کوئی ظلم نہین)

تکلیف بھی ہو جاتی ہے آرام کے بعد
ہے قہر اگر صبح ہو شام کے بعد
یہ جرم ہے خون بے گنہ سے بڑھکر
اقدام کا اتہام اقدام کے بعد

(حریص طمع اپنے زرا سے فائدے پر دوسرے کے کل منافع قربان کردیتے ہین)

تن مرغ کباب کا کہ صد پارا ہے
خود عبرت صید گہ کا نظارا ہے
وہ نعمۂ زندگی جو تھا خوانِ نعیم
اک بے پروا زبان کا چٹخارا ہے

(مظلوم کا نالہ ظالم کے لئے ترانہ تہنیت بنتا ہے)

مستوجبِ ایذا ہے جو بیچارہ ہے
ناکردہ گناہی مین بھی کفّارہ ہے
ظالم کو ہے تہنیت فغانِ مظلوم
جرم مردہ ظفر کا نقارہ ہے

(تکلیف دینے کی فکر سے راحت اٹھانے کی کوشش بہتر ہے)

پیدا ہوئے خالق کی عبادت کے لیے
یا رشک و حسد بغض و عداوت کے لیے
اوروں کے ستانے مین ہے جتنی تکلیف
اے کاش وہ ہو اپنی ہی راحت کے لیے

دوسرون کے اعمال اپنے لیے نہین

اورون کی روش پہ چلیں کیون سکھاتے ہو ‏ ‏ ‏ کیا حکم خدا ہے جو بجا لاتے ہو

ہو۔ لائق دوزخ ہی اگر ہے کوئی ‏ ‏ ‏ تم دیکھ کے کیون اُس کو جلے جاتے ہو

دین ہو یا دنیا دونون کے لیے ایک حد مقرر ہے

دشمن بھی نہ بن جاؤ اگر یار نہ ہو ‏ ‏ ‏ سب بے وجہ تو آمادۂ پیکار نہ ہو

اظہار عقیدت مین تو نقصان نہین ‏ ‏ ‏ لیکن اتنا کہ اور کو بار نہ ہو

دل صدپارہ

دوسرے ہی کی مرضی پہ ہی جب انجام محبت کا
چھوڑا ہمنے قسمت ہی پہ نہ بیٹھ دیا اپنی قسمت کا

امید و بیم کے برزخ کا عالم ہی نرالا ہے
نہ ہنسنا تھا نہ رونا تھا نہ جینا تھا نہ مرنا تھا

دوست سمجھے تھے جسے دشمنِ جانی نکلا
جام امید مین تلوار کا پانی نکلا

پوچھا تو نہ یہ مجھ بیدل سے اُس کوچہ مین کیون جانا چھوڑا
اغیار نے چھوڑی طعنہ زنی احباب نے سمجھانا چھوڑا

ناکِ محبت زبون ہوگیا
یہی عشق آخر جنون ہوگیا

یون لکھینگے حالِ دل لکھا جو نہ جائیگا
قرطاس پہ ہر آنسو اک داغ بنائیگا

افسردگی مین جینے سے دل سیر ہوگیا
بجھتے ہی اس چراغ کے اندھیر ہوگیا

ناکام شہادت نے جو کرنا جو نہ تھا وہ کام کیا
گردن پہ چھری تو پھیر لی خود اور قاتل کو بدنام کیا

جہان مین تختۂ مشقِ جفائے آسمان مین تھا
وہین موجب دکھی ہر طرح کی آفت جہان مین تھا

کوئی کم ظرف کھو کر آبرو پھر پا نہین سکتا
لنڈھکتے جام کا پانی سمیٹا جا نہین سکتا

ہزار مرتبہ توبہ کا بندوبست ہوا | مگر جب آئی جماہی وضو شکست ہوا

یونہیں دیئے جاؤ گے جو چرکے تو کوئی گرم فغان بھی ہوگا
یہ لازمی ہے یہ ہے ضروری جلے گی جو شے دھوان بھی ہوگا

سوائے خار حسرت تخم الفت بو کے کیا پایا
خلش اک مفت میں لی مول دل کو کھو کے کیا پایا

اک دوست نما دشمن پہلو سے لگا پایا | دل کر کے بغل نکلا دشمن کا پتا پایا

کھو دیا لطف زندگانی کا | صبر دل پر مری جوانی کا

لکھا خطِ تقدیر میں شامل ہے ہمارا | نامہ یہ تمھارا و رقِ دل ہے ہمارا

آئینہ اسطرح جذبِ عشقِ بلبل ہوگیا | داغ جو دل میں پڑا ہم صورت گل ہوگیا

شگونِ نیک سا بد ہو یہ مقدر دردِ پنہاں کا | ہنسی جیب بخیہ گر کو آئی ٹوٹا زخم کا ٹانکا

نقشِ دل سے بھی مٹانے کی کریں تدبیر آپ | چھین کر ہنستے ہوئے کیا لے چلے تصویر آپ

ملے تو جلیسے ہے اپنے ہی خانہ باغ کا پھول | جو پھول ہاتھ نہ آئے وہ ہے چراغ کا پھول

نظر ملاتے نہیں کسی سے جو حاضر اُس آستان پر ہیں
زمین پہ ناک گھس رہے ہیں مگر دماغ آسمان پر ہیں

سمجھ نہیں خواب ہوس تعبیر اسکی کچھ نہیں | مشق کی تختی ہے یہ تحریر اسکی کچھ نہیں

چھرتے ہی نگاہیں قاتل کی گردن کو چھری پر دھرتے ہین
جو بات یہ مرنے والے ہین اس بانکپنے سے مرتے ہین

مثال زخم گو دنیا مین راحت کو ترستے ہین
مگر زخم دوست ہم وہ ہین جو ایذا مین بھی ہنستے ہین

کیونکہ اپنا ئین ہجر کی کاٹین
رات کاٹین کہ زندگی کاٹین

ترک سے کرتے ہی گھنگھور گھٹا ئین آئین
لیجیئے چبر سر تو یہ بلا ئین آئین

نہ سودائی اگر کم ہون تو وہ دیوانے پیدا ہون
یقین ہے دل جلون کی خاک سے پروانے پیدا ہون

آ سرے پیدا ہوے دل کی مرادین مل گئین
مسکرا دینے سے تیرے منہ کلیان کھل گئین

سسکتے ہین مگر دم تیری ہی الفت کا بھرتے ہین
پڑی ہے جان مشکل مین کہ جیتے ہین نہ مرتے ہین

اثر آہ آزماتے ہین
ہم ہوا مین گرہ لگاتے ہین

کچھ شاک اگر ہو سوز محبت کی شان مین
اک آہ بھر کے آگ لگا دون جہان مین

نفرت ہوئے سے ہجر مین عنبر شمال مین
کچھ فرق کر لیا ہے حرام و حلال مین

اکیلے ہوتی ہین ناز و نیاز کی باتین
پیام بن نہین سکتی ہین راز کی باتین

بے شجر ہوتے ہین پیدا اشک کے دانے وہ ہین
بے صراحی بھرتے ہین آنکھون کے پیمانے وہ ہین

بعض بت کہتے ہین بعض اُسکو خدا کہتے ہین | سُن کے وہ کچھ نہین کہتا اسے کیا کہتے ہین

نہ کیونکر آتشِ تر کی ہو رنگت دل کے چھالون مین
بھری ہے آگ پانی ہو کے ساقی ان پیالون مین
نہین ہے اشک ریزی کی اجازت بھی غریبون کو
کہان کا صبر کیسا ضبط روتے ہین نصیبون کو
ردِّ دعوت کر رہا ہے پھیرتا ہے جام کو
پی لے اے زاہد اسے یا ترک کر اسلام کو
چلے کیون خود بھی سیدھی چال جب اُلٹا زمانا ہو
چلا جا اُس کے قابو مین جسے قابو مین لانا ہو

بُرا تھا راہِ طلب مین نکالنا مجھکو | چلا مین بیخودیِ غم سنبھالنا مجھکو
اسی نرگس کا ہے ہر رنگ بہار آلودہ | مست آنکھ اُسپہ ستم یہ کہ خمار آلودہ
جامِ دل ٹوٹنے کا رنج ہے ساقی باقی | مٹ گیا لفظ مگر ہین ابھی معنی باقی
پھر مرے زہد کے سامان پہ تباہی آئی | قصد توبہ کا کیا تھا کہ جو ساہی آئی
بہت کچھ ابتدائے عشق مین دلداریان ہونگی | وہ جب قابو مین کر لینگے تو بیزاریان ہونگی
ابھی کچھ اس چمن کی آب و ہوا نہ دیکھی | خوش رنگ گل تو دیکھے بوئے وفا نہ دیکھی

اک چپ کر دیکھنے والے کی کیا جانیئے کیا حالت دیکھی

آئینہ ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور پھر کے مری صورت دیکھی

تو وہی ہے مگر اے بت وہ تری خو نہ رہی
کیا کرین سونگھ کے جب پھول مین خوشبو نہ رہی

ظالم کی دل لگی نے سب آن بان لے لی
دیکھا جو مسکراتے بلبل ہنس کے جان لے لی

قیس کی وحشت ہمدردی سے آخر اپنا حال بنی

دل کی الجھن بڑھتے بڑھتے گیسو کا جنجال بنی

کیسے قابو سے ادا دیکھ کے انگڑائی کی
ہر کڑی کھل گئی زنجیر شکیبائی کی

چھری سے بڑھ کے قاتل یہ ادا تھی اس ستمگر کی
لگا چرکا کلیجے پر جو دیکھی دھار خنجر کی

بہت روئین جو آنکھین چل بسی تدبیر دونون کی

کہ نکلی عشق مین پھوٹی ہوئی تقدیر دونون کی

شب فرقت مین اکثر شام وصلت یاد آتی ہے

اذیت حد سے بڑھتی ہے تو راحت یاد آتی ہے

اظہار الم کے لئے پہلو نکل آئے
نالون کو کیا ضبط تو آنسو نکل آئے

دل محبت مین نہ ٹوٹے آس ہر اک ٹوٹ جائے

چاہنے والا نہ چھوٹے چاہے دنیا چھوٹ جائے

تڑپ اُٹھتا ہون مین جب چوٹ الفت کی اُبھرتی ہے
کوئی بے درد کیا جانے کہ اس پر کیا گزرتی ہے

جانے والے آ کے نیرنگ چمن دکھلا گئے
چار دن مین چار گل مہکے کھلے مرجھا گئے

مال اُس نے ہزارون مار لیے ہم بھی پھنستے پھنستے چھوٹے
دل لے گئے تھے پھر خیر ہوئی سودا نہ بنا سستے چھوٹے

رات ساری جسے آنکھون مین بسر ہوتی ہے
آپ کیا ہین اُسے دُنیا کی خبر ہوتی ہے

سوکھے ہوے ورق پہ ہر گل کے یہ لکھا ہے
دلچسپ ہر نظارہ پردہ فریب کا ہے

خاک کا پتلا ہے اک انسان جس کا نام ہے
خاک ہی آغاز ہے اور خاک ہی انجام ہے

جانے کو نہ رستہ نہ ٹھہرنے کو زمین ہے
کس بیکسی سے پڑا کام کہان ہے نہ نہین ہے

دل تو آپ ایک بلا ہے اسے رد کون کرے
خود جو آفت مین پھنسے اُس کی مدد کون کرے

نہ تڑپا جاتا ہے خود سے نہ صبر ہوتا ہے
غرض جو ہوتا ہے اب تو بجبر ہوتا ہے

جی مین آتا ہے کہ تھوڑا اور بھی رو ڈالیے
جب وہ آنسو پونچھ کر کہتے ہین منھ دھو ڈالیے

سوز جگر کی ہے وہ آگ بھڑکے ہزار ضو نہ دے
شمع ہے داغ دل کی وہ جلنے مین جو کہ بو نہ دے

مانا کہ نہین تم پیش نظر آنکھون مین جھلک پھر کسکی ہے
رُخ کو تو چھپایا پردے سے پردے مین جھلک یہ کسکی ہے

ہون فقیر بے نوا تکیہ نہ بستر ساتھ ہے
جس جگہ انسان پہونچے گا مقدر ساتھ ہے

عجب طرح یہ دل افسردگی مین جلتا ہے
کہ سانس لینے مین ٹھنڈا دھوان نکلتا ہے

تسبیح کے سو سو دانون کا یون ساتھ مین لینا بہتر ہے
یا فرداً فرداً اے زاہد دل ہاتھ مین لینا بہتر ہے

جس سے کہ تعلق دل کو نہین بے سود وہ ساری دنیا ہے
ہم کو تو ہے اُس دُنیا سے غرض جتنی کہ ہماری دُنیا ہے

حالتین سب بدل گئین صبر بس اب محال ہے
وصل سے ہجر ہو چکا ہجر سے پھر وصال ہے

یہی کہتے ہین رنگا رنگ گل ہر خاک تربت کے
یہ وہ پردہ ہے جس مین سیکڑون جلوے ہین قدرت کے

ہے اور بھی وہ شمع تابان فانوس مین جس کا اُجالا ہے
پہچان گئین اُس کو آنکھین جب بت نے یہ پردہ ڈالا ہے

وہ بلا دل کے تری یاد دلانے والے
سونے دیتے نہین راتون کو جگانے والے

اک ہم نہ رہے عشق کا چرچا تو وہی ہے ۔ مجنون نظر آتا نہین صحرا تو وہی ہے

برے ہین یا بھلے اس مین کسی کا کیا اجارا ہے
کہ ہم اُس کے ہین جس حالت مین بھی ہون وہ ہمارا ہے
امیدِ وصل مین ایذا جدائی کی گوارا ہے
کہ وہ زندہ بھی کر سکتا ہے جس نے ہم کو مارا ہے

امیدِ نیک تجھ سے فلک اصلا نہین ہے ۔ یہان دل مین وگرنہ تمنا کیا نہین ہے
چھوٹا خدا بھی بت بھی خفا مرتے دم ہوئے ۔ ہو عشق کا برا کہ کہین کے نہ ہم ہوئے

کیا بتاؤن بڑھتے بڑھتے کیا سے کیا ہو جاؤگے
آج تو بت ہو مگر کل تک خدا ہو جاؤگے

آنکھین نہ تھین کہ گردشِ قسمت کو دیکھتے ۔ بدلی نگاہ رہ گئے صورت کو دیکھتے

تجھے تو ہم کیا کہین ستمگر کہ جس کا دل صاف ہی نہین ہے
مگر ہے کہنے مین بات آتی جہان مین انصاف ہی نہین ہے
کوئی پرسانِ دردِ غم نہین سب خلق ہنستی ہے
مرا رونا بھی وہ ہے جس پر اک حسرت برستی ہے

یون آئے تو پھر کیونکر آئی ہوئی ٹل جائے ۔ دیوار گرے سر پر اور پاؤن پھسل جائے

اب آہ بھی کیا ہجر کے بیمار نہ کرتے	مانا مرض عشق کا اظہار نہ کرتے

کمال ہے منھ سے کچھ نہ کہنا کلام کرنا کمال کیا ہے
سمجھ لین خود ہی سمجھنے والے کہین یہ ہم کیون کہ حال کیا ہے

غفلت کی بھی اک حد ہے چونکے تو بتا دین گے
لی ہم نے جہان کروٹ دنیا کو ہلا دین گے

پوچھے بھی حالِ دل وہ نزدیک آ بھی جائے
ہم تو کہین سبھی کچھ جب کچھ کہا بھی جائے

بھری جس وقت ٹھنڈی سانس دلِ داغ دل چمک اٹھے
ہوا سے اڑ گئی جب راکھ انگارے دہک اٹھے

طبیب حیران ندیم نالان گزر چکی شب سحر ہوئی ہے
یہان ابھی تک ہے ایک حالت ادھر کی دنیا ادھر ہوئی ہے

اب جان بلبی نے عاشق کی یہ خوشخبری پہونچائی ہے
جب تم نہ مسیحائی کو گئے پرسش کے لیے موت آئی ہے

اے بیخودی سنبھال کہ وقتِ مدد یہ ہے	وہ پاس ہین اداس عجب وقتِ بد یہ ہے
کیا جو تم نے ہم ایسا کرین خدا نہ کرے	کرے تو وعدہ قسم کھا کے اور وفا نہ کرے

قسمت کے لکھے کی کس کو خبر کیا سوچتے ہین ہوتا کیا ہے
ہین جس کے سبب رسوا ے جہان وہ بھی سودائی کہتا ہے

غم غلط کرتی ہے مجھ بیکس کا ناشادی مری
خاک اُڑاتی ہے مری تربت پہ بربادی مری

اسیر زلف ہو کر یون ہمارا دل دھڑکتا ہے
کہ جیسے دام مین پھنسکر کوئی طائر پھڑکتا ہے

کوئی ظالم منفعل ہوتا نہین کردار سے
تیرے مقتول ادا سوز کے مارے نکلے

توبہ کی ہے تیرے کس دن لب سوفار سے
جب لگا زخم عوض خون کے شرارے نکلے

مجموعۂ قطعات تاریخی

بہ تعزیت انتقال پُر ملال علیا حضرت ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کوئن وکٹوریہ آنجہانی

آن قیصرۂ کہ فاتحہ بُد بجہان	رُو کرد سوِ عدم بجاہ و حشمت
نالان شدہ گفت آرزو سالِ وفات	از تاجِ شہی برفت زیب و زینت
	سنہ ۱۹۰۱ء

بہ تہنیتِ تخت نشینی شہنشاہ انگلستان قیصرِ ہندوستان ایڈورڈ ہفتم۔ در تعمیہ داخلی

درین دور چون خسروِ ایڈورڈ	زاقبال زد سکہ بر نیّرین
چہ سالِ مسیحی نوشت آرزو	کہ این تاج و تخت است با زیب و زین

سنہ ۱۹۰۲ء

بنابر تعزیت از اجتماع تعمیۂ داخلی و خارجی

بگلزار جہان از تند بادِ مرگ و اویلا
چنان گل گشت پژمردہ کہ دل شد داغدار از وے
زہر دو تعمیہ سالِ مسیحی می شود ظاہر
بیک باغ حیاتِ آمد خزان رفتہ بہار از وے

سنہ ۱۹۰۴ء

بنابر انتقال دولے خان مغنّی لکھنوی کہ در علم موسیقی مشہور بود در تعمیہ خارجی

زدہر رفت چہ اُستاد علم موسیقی
کہ بد بہ بزم غنا زہرہ را ادب آموز
برون ز تن نفسش شد کہ مرز شہنار رفت
نماند صوتِ دل آویز و نغمۂ دلدوز
صریر خامہ بگفت آرزو چہ فصلی سال
جدا ز نغمہ گداز و ز سازِ مطرب سوز

سنہ ۱۳۰۹ف

بنا بر طبع دیوان چہارم محقق بےمثال حضرت حکیم سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی

کلام پھر سے استاد کا ہوا مطبوع	بلند ملک سخن میں ہے جن کا جاہ و جلال
یہ آرزو نے لکھا سال چوتھے دیوان کا	ہے اب سپہر چہارم پر آفتاب کمال ۱۳۰۱ھ

بہ تقریب تہنیت قطع شیر نواب آغا صاحب فرزند ارجمند عالی جناب نواب میرزا سلطان علی خانصاحب بہادر موسوی نیشاپوری رئیس لکھنؤ ۔ در تعمیہ خارجی

فرزند چون دو سال و سہ مہ دید در جہان
شادان بگشت مادر و خورسند شد پدر
فصلی ز حکم شرع بگو سال آرزو
کن قطع شیر از ہمہ نعمات خوبتر ۔
۱۳۰۸ف

بہ تعزیت انتقال نواب روشن آرا بیگم دختر نواب خادم حسین خان صاحب کہ در سال کتخدائی فوت شد

ہے جائے عبرت آگین یہ سیرگاہ ہستی — شکلیں جو ہیں ہویدا پنہاں وہ دم میں ہون گی
جن گل سی صورتون سے وابستگی تھی دل کو — اس کی خبر کہاں تھی کل یہ نہ ہم میں ہون گی
شمع وگل عروسی کام آئینگے لحد پر — چیزیں خوشی کی شامل اسباب غم میں ہون گی
ماں باپ کی نظر سے پنہاں ہوا جو تارہ — اس کی تجلیاں اب ملک عدم میں ہون گی
تفتیش سال رحلت ہو آرزو تو سن لے — نواب روشن آرا بیگم ارم میں ہون گی

۱۳۲۱ ہجری

بنا بر تفسیر پارۂ چہارم کلام شریف از تالیفات مولانا سید ابوالقاسم صاحب لاہوری مجتہد

معین دین برحق مولوی سید ابوالقاسم — کہ بود او ناخدائے کشتی ایمان درین قلزم
رقم تفسیر قرآن کرد و پنہان گشت چون معنی — ازین ورطہ بدہ الیاس بعد رہنمائی گم
نوشتم آرزو این سال طبع پارۂ رابع — کہ شد پیدا چہ از دریائے معنی چشمۂ چارم

۱۳۲۲ ہجری

بہ تعزیت انتقال پر ملال محقق بے مثال حضرت حکیم میر ضامن علی صاحب جلال مرحوم بہ تعمیہ خارجی

چو اوستادم کہ بد فردوسیِ ہند — سپئے تعلیم روح انوری رفت
نوشتم آرزو تاریخ رحلت — بہارِ گل ز باغِ شاعری رفت

۱۸۸۴ — ۲۵۸
سنہ ۱۳۲۶ھ

بنا بر ترقی فرزند و بینا شدن چشم پدر

آرزو اک وقت میں دوہری مسرت دیکھکر — کیوں نہوں آنکھیں خنک کیوں دل کو حاصل ہو نہ چین
تھی جو عشرت کی ترقی دیکھنا مدِّ نظر — روشنی آئی میانِ دیدۂ اکبر حسین
قصۂ یعقوبؑ و یوسفؑ سے ملا مصرعِ سال — نور اک چشم پدر کا ہے عروجِ نورِ عین

سنہ ۱۳۲۷ھ

بنا بر تہنیت تولد شدن پور زادہ عالی جناب میر مصحف حسین صاحب - رئیس مصطفےٰ آباد

میر مصحف حسین پاک نژاد — یافتند از خدا پسر اشرف
آن پسر ہم چو کتخدا گشتہ — گہر آمد برون ز بطن صدف
آرزو گفت مصرعِ تاریخ — آیتے پاک صورت مصحف

سنہ ۱۳۲۷ھ

بنا بر طبع دیوان مکرمی جناب منشی محمد نوح صاحب شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم رئیس قصبہ نارہ

عجب کلام کلیم سخن بشد تحریر — مداد محو درود است کلک سر بسجود
بسنگ آمد و قرطاس سال طبعش گفت — رسید کشتیٔ نوح سخن بکوہ نمود

سنہ ۱۳۲۹ھ

بنا بر تعزیت انتقال حکیم سید محمد مہدی صاحب کمال مرحوم خلف حضرت جلال مغفور

کب قابلِ بیان ہے وہ دنیا میں آرزو — جو دکھ پہ دکھ ستم پہ ستم غم پہ غم اٹھائے
قابو نہ موت پر ہو نہ جینے پہ اختیار — کہتی ہے بےبسی کہ جو چاہے فلک کھلائے
کیا جلد بعد مہر ہوا ماہ بھی غروب — کیونکر جہان آنکھوں میں اندھیر ہو نہ جائے
کم تھا نہ داغ رحلت استاد نامور — جو اٹھ گئے کمال بھی دنیا سے ہائے ہائے
بھولا نہ تھا وہ غم کہ یہ صدمہ ہوا نصیب — آنسو تھمے نہ تھے کہ جو نالے بھی لب پہ آئے
دل خون ہو کے بہنے کا رونے میں ہے خطر — ہے خوف ضبط میں کہ جگر غم سے پھٹ نہ جائے
اس کشمکش میں آئی صدائے سروش غیب — بعدِ جلال ہو گیا ختمِ کمال ہائے

سنہ ۱۳۲۹ھ

ایضاً

شاعرِ شیریں بیان و نکتہ دانِ باکمال
جب نہ دنیا میں رہے کیونکر فغاں لب تک نہ آئے

لکھ دو سالِ رحلتِ فرزندِ استاد آرزو
رونقِ قبرِ جلال آج اُٹھ گئی دنیا سے ہائے

سنہ ۱۳۲۹ھ

بہ تہنیت نصبِ لفریب باغ بناکردہ عالی جناب مستغنی عن الالقاب میرزا فلک ناز محمد باقر علی خان بہادر عرف بڑے آغا صاحب المتخلص بہ فلک رئیس لکھنؤ

ہے جو یہ دلفریب باغ جنت ارضی آرزو
غیرتِ گلشنِ ارم جس کی بہار بے خزاں

فیض نمو سے ہے مدام ایک ہی رنگ صبح و شام
نخل ہر ایک بارور شاخ ہر ایک گلفشاں

شاخِ قلم سے ہے گلفشاں ذکر بنائے باغ میں
سبز ہے کیا ہی بوستاں لائق دید دوستاں

سنہ ۱۳۲۹ھ

بنا بر فتح مقدمہ جگت رانی کنور صاحبہ سندیلوی از ولایت

گھر گھر جو خوشی پھیلی اک مژدۂ نصرت سے
کسریٰ مجھے یاد آیا قیصر کی عدالت سے

ناحق کا جو تھا دعویٰ آخر وہ ہوا باطل
جھگڑا ہوا یوں فیصل خالق کی عنایت سے

لندن سے جو تار آیا نصرت کی خبر لایا
نغمہ ہو گیا پیدا اس سازِ مسرت سے

حق چھیننے والون کو حاصل ہوئی مایوسی — کچھ خاک نہ ہاتھ آیا انکار وصیت سے

جگت رانی کنور یون تھین مشہور تھین پہلے ہی — اب راج بھی ہاتھ آیا خالق کی عنایت سے

یون سال بکرمی تم اسے آرزو اب لکھدو — حقدار نے آخر مین حق پائے عدالت سے

سنہ ۱۹۶۲ بکرمی

بتقریب کتخدائی صاحبزادہ حسن محمود صاحب فرزند عالی جناب نواب شیخ احمد حسین خان صاحب بہادر المتخلص بہ مذاق رئیس پیانوان

کتخدائی کا حسن محمود کی — عالم امکان مین شہرہ کیون نہو

دو شرافت کے ہوے دریا بہم — فوق کیونکر موج پر دین موج کو

کوئی کہتا ہے بہار تازہ مین — دو گل نورس ہین یکجا یہ کہو

کوئی کہتا ہے قرآن نیرین — آنکھ سے دیکھا نہو تو دیکھ لو

اپنی اپنی کہہ چکے سب آرزو — اب جو کچھ کہتا ہون مین وہ بھی سنو

مصرع تاریخ برجستہ یہ ہے

گوہر نایاب اک رشتہ مین دو

سنہ ۱۳۲۳ھ

بنا بر انتقال پسر اول مصنف از زوجۂ ثانی المعروف بہ للّن بعمر سہ سال و شش ماہ

ایک وہ روز بھی آیا تھا کبھی	کہ جو پہونچی تھی ولادت کی نوید
ایک یہ روز سیہ بھی دیکھا	کہ چھپا وقت سے پہلے خورشید
آرزو اب ہے یہ آوازِ سروش	گُل ہوا ہائے چراغِ اُمید

۱۳۳۷ھ

بہ تہنیت تولد شدن فرزند عالی جناب میرزا فلک ناز محمد باقر علی خان بہادر فلک رئیس لکھنؤ

میرزا باقر علی خان صاحبِ اقبال وجاہ
جن کے قبضہ مین ہے گنج خوش نصیبی کی کلید
اُن کے اک دل کو خوشی دو طرح کی حاصل ہوئی
عید کے نزدیک بخشا حق نے فرزندِ سعید
یادگار رہے یہ سالِ تہنیت بھی آرزو
اے فلک اک چاند کا ٹکڑا مبارک قبل عید

۱۳۴۱ھ

بنا بر تعزیت

دختر مہدی حسین اہلیہ ذاکر حسین
پاک دامن پاک طینت خوبرو خوش سیر
دار فانی سے ہوئیں راہی سوئے ملک بقا
بن گیا رخت عروسی دفعتاً رخت سفر
بعد شادی گھر مین شوہر کے ہوا اتنا قیام
راہ مین دم لے مسافر جس طرح زیر شجر
شمع خلوت بن گئی شمع لحد اندھیرے
کیا خبر تھی پھول بستر کے چڑھین گے قبر پر
آرزو ہے سال رحلت نوحۂ مرگ شباب
ہو گئی شمع حیات آہ آہ گل قبل سحر

سنہ ۱۳۴۲ھ

قطعات تاریخی بناء طبع دیوان ہذا

از نتیجۂ طبع وقاد و ذہن نقاد جناب سید امیر حسن صاحب وکیل حیدر آباد دکن خلف جناب داروغہ میر واجد علی صاحب مرحوم

سخن سنج انور حسین ہمہ دان — تخلص مرے دوست کا آرزو ہے
نہیں کم ہر اک بیت سلک گہر سے — کلام ان کا مثل ان کے با آبرو ہے
ہیں پاکیزہ الفاظ اچھوتے مضامین — نئے پھول ہیں اور نیا رنگ و بو ہے
خبر پائی ہے طبع دیوان کی جب سے — مجھے مصرعِ سال کی جستجو ہے

فروغ آئی ناگاہ آواز ہاتف
یہ لکھدو - کھلا غنچۂ آرزو ہے

سنہ ۱۳۴۲ ہجری

قطعۂ دیگر

از واقفِ رموز بلاغت جناب قاری یعقوب علی خان صاحب نصرت لکھنوی

سید ابو حسین اے نصرت — صاحب علم و فضل و فہم و ذکا
با شعور جلالی ماہر فن — شعر اس نے ہمارا [illegible] یکتا

اُن کا دیوان پُر بہار ہے جو — گلِ مضمونِ تازہ سے ہے بسا
باغ ہر صفحہ سرو ہر مصرع — پھول ہر حرف غنچہ ہر نقطا

طبع کے سال پر نظر جب کی
بارور نخل آرزو دیکھا

۱۳۴۳ھ

چھاپے کی غلطیوں کی تصحیح

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
		مقدمہ		۱۵۱	۹	پڑ	x
۸	۱۲	حیرت	جدت	۱۵۹	۲	بھی	ہی
۹	۴	بس	سب	۱۶۲	۷	بڑی	بڑھی
۱۰	۱۷	بارہوتی ہے	بارہوتا ہے	۱۶۳	۳	آے	آئی
		دیوان		۱۶۸	۳	اے	آئے
۱۱	۲	پھیرا	پھرا	۱۸۳	۷	قول دنیا	قول دینا
۳۶	۱	اودُھر	اودھر	۱۸۷	۹	نچھوڑینگے	نچوڑینگے
۳۷	۴	غم	جم	۱۸۹	۱۳	شہنا	سہنا
۴۹	۵	ین	ہیں	۱۹۳	۳	دھوگا	دھوکا
۹۰	۱۳	ہرے	ہارے	۲۰۳	۱۱	تو	x
۹۱	۱۱	فرے	فزاے	۲۱۴	۱۲	گگی	کلی
۱۰۹	۱۱	فنان	فنا	۲۲۶	۸	تا	نما
۱۱۶	۲	پہاڑ	چھاڑ	۲۲۸	۱۱	سے	کے
۱۲۳	۲	ہیں بیٹھے	بنتے ہیں	۲۵۸	۹	جھلکتا	چھلکتا
۱۲۶	۳	یہ	x	۲۷۹	۱۵	لو	لَو
۱۳۸	۱۲	وہیں سے	وہیں دل سے				